جیورسٹ

پریمئیرز کی آواز

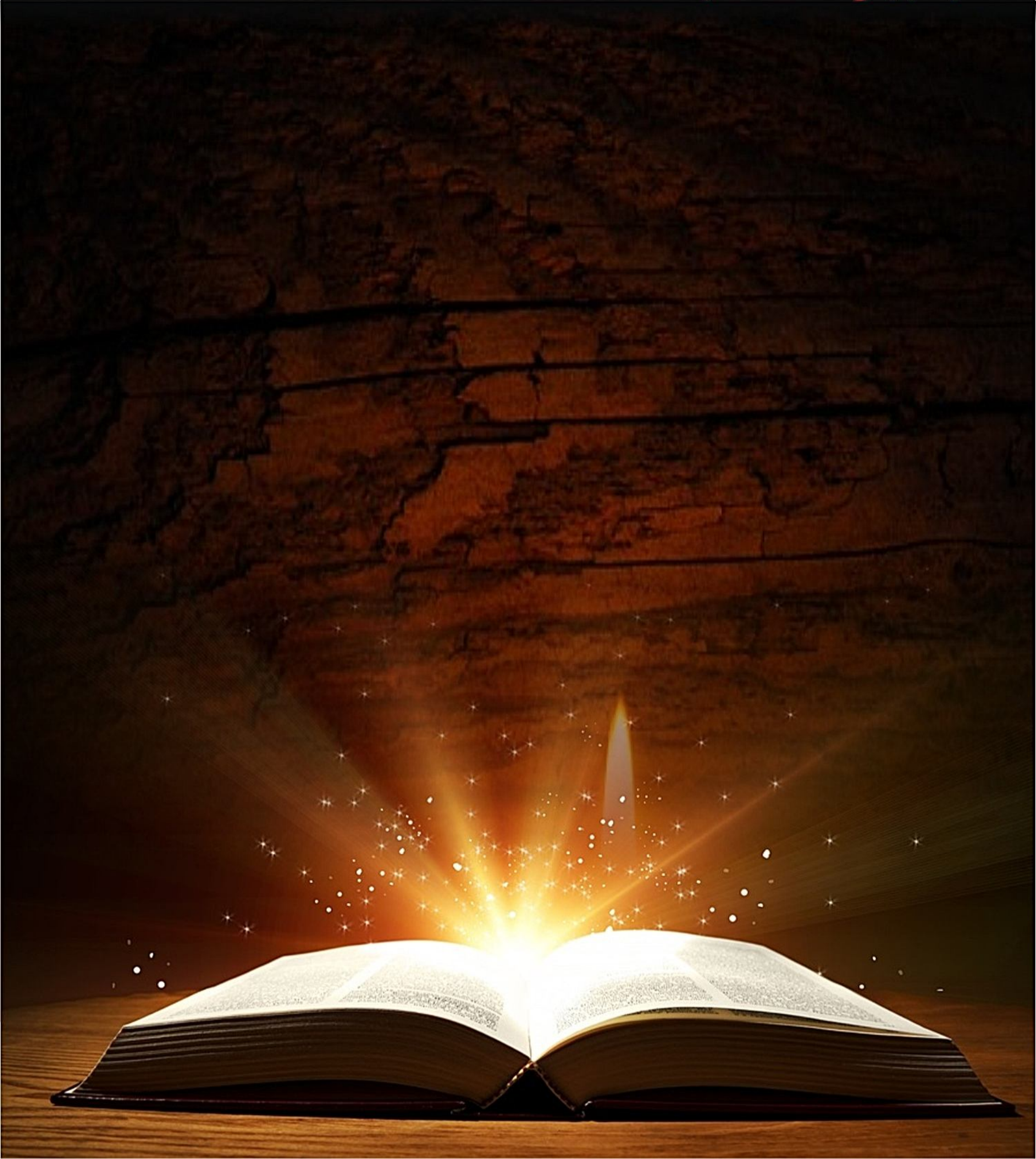

انتساب

کائنات کے پہلے عظیم قانون دان کے نام

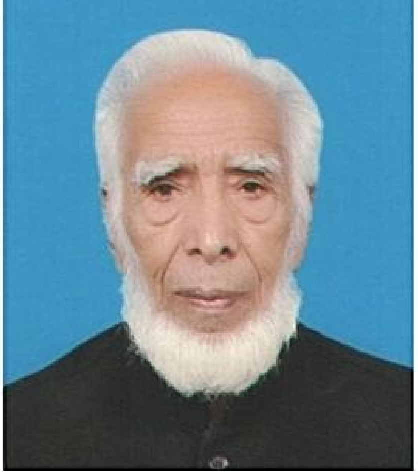

پیغام

پریمیئر لاء کالج محض قانون کی تعلیم کا ادارہ ہی نہیں ہے بلکہ نظریہِ پاکستان کا فعال مرکز بھی ہے۔ یہ ادارہ ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت معرضِ وجود میں آیا جس کا مقصد پاکستان کے عوام وخواص کے لیے ایسی رہنمائی اور تربیت مہیا کرنا ہے جس سے پاکستانی معاشرے میں یکجہتی، نیک نیتی اور مستحکم عقیدہ کا جذبہ پیدا ہو۔ یہ ادارہ قائداعظم کے فرمان کے مطابق عوام کی رہنمائی کرتا آیا ہے اور کرتا رہے گا۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ پاکستان کی بقا نظریہ پاکستان کے دائرے میں ہی ہے ہمیں بحثیتِ قوم ایسے ادارے جو عملی طور پر پاکستان کی خدمت کریں انکی اشد ضرورت ہے اور الحمداللہ ماضی میں بھی پریمیئر لاء کالج اس ضرورت کو پورا کرتا آیا ہے اور مستقبل میں بھی انشااللہ پورا کرے گا۔

کسی بھی تعلمی ادارے کے معیار کو جانچنا ہو تو اُس کے طلباء کی نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کو جانچ کر دیکھ لیں۔ الحمداللہ پریمیئر لاء کالج کی نصابی کامیابیاں آپ سب کے سامنے ہیں اور جہاں تک بات رہی غیر نصابی سرگرمیوں کی تو یہ مجلّہ اُس کی شاندار مثال ہے۔ اردو ہماری قومی زبان ہے ہمارا پورا ثقافتی ورثہ اِسی میں ہے۔ انگریزی عصرِ حاضر کی بین الاقوامی زبان ہے جس کی افادیت سے انکار ممکن نہی، پنجابی ہماری مادری زبان ہے اسی لیے مجلّہ میں تینوں زبانوں کی واضح نمائندگی دی گئی ہے۔

اور آخر میں خاص طور پر مجلّہ منتظمین اور ادبی تنظیم پریمیئر لاء کالج کو شاباش اور مبارک باد دینا چاہوں گا۔ جنہوں نے محدود وسائل میں اتنا عمدہ کام کیا ہے جو سراہے جانے کے قابل ہے۔ امید کرتا ہوں مستقبل میں بھی اس شاندار روایت کو جاری رکھا جائے گا۔ پریمیئر لاء کالج کی انتظامیہ اور طلباء کو پہلا کالج مجلّہ مبارک ہو۔

میاں محمد اسماعیل شمیم

پرنسپل پریمئر لاء کالج گوجرانوالہ

اداریہ

ماہرین علوم کے مطابق عملِ ادراک ،علّت ، مشاہدۂِ باطن ، یاداشت اور وحی الٰہی علم کے بنیادی مواخذ ہیں۔علم کی نوعیت متحرک ہے یہ ایک ذہن سے دوسرے ذہن میں منتقل ہوتا رہتا ہے قدرت نے انسان کو ایسی جبلت عطا کی ہے کہ وہ خودنمائی یا فلاحِ انسانی کیلئے اپنا علم دوسروں کو منتقل کرتا رہتا ہے قدیم دور میں علم زبانی منتقل ہوتا تھا۔تحریر کی ایجاد کا سہرہ مشترکہ طور پر میسوپوٹیما) بین النہرین اور (سمیری تہذیب) کے سرجاتا ہے جنہوں نے تقریباً 3200ق۔م کے لگ بھگ یہ کارنامہ سرانجام دیا۔اور یوں انسان نے اپنے علم کو تحریری صورت میں منتقل کرنا شروع کردیا۔قدیم مصری تہذیب نے درخت کی چھال (پ پی رس) استعمال کرکہ تحریروں کو کتابی شکل عطا کی ۔ دنیا کی پہلی کتاب قدیم مصر کی (دی بک آف دی ڈیڈ The Book of the Dead) ہے یا 868ق۔م میں شائع ہونے والی چینی کتاب (ڈیمنڈ سوترDiamond Sutra) ہے اس بحث میں پڑے بغیر اتنا کہوں گا کہ کتاب کی ایجاد نے انسانی علم کو اگلی نسل تک پہچانا آسان کردیا جرمن باشندے جوہان گٹن برگ نے 1440 کو چھاپہ خانہ ایجاد کرکہ اس عمل کو اور آسان بنادیا۔اور یوں کتابیں علم وادب کے ذخائر لیے بڑی آسانی سے ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہورہی ہیں۔

کتب کا مطالعہ ایک صحت منداور مفید امر ہے۔ یہ بات تصدیق شدہ ہے کہ ترقی یافتہ اقوام میں کتب کے مطالعہ کی نسبت ترقی پذیر اقوام سے کئی گنا زیادہ ہے۔ مطالعہ ذہن کو پختگی عطا کرتا ہے اور پختہ ذہن ہی اچھی اور ممتاز تحاریر کی وجہ بنتا ہے۔ ایک مشہور لکھاری نے کہا تھا کہ ایک اچھا فقرہ لکھنے کے لیے کم ازکم سوفقروں کا مطالعہ ضروری ہے۔کسی قوم کی ترقی کو جانچنا ہوتو وہاں کے ادبی وعلمی سرمایہ کو مطالعہ کرکہ دیکھ لیں۔ترقی یافتہ اقوام کا ادبی علمی سرمایہ دیگر عصر حاضر کی دیگر اقوام سے ممتاز ہوتا ہے۔ ادبی وعلمی سرمایہ نے سنسکرت ، لاطینی ، یونانی ، عبرانی ، فارسی اور عربی زبان کو ایسا آب حیات عنایت کیا ہے کہ وہ مرنے کا نام نہیں لیتیں ، حتی کہ ان کی ہم عصر زبانوں کو دفن ہوئے ایک عرصہ ہوا۔اچھی تحریر پرلگن اور کہنہ مشق کا م ہے۔اور اس کے لیے کثیر مطالعہ ضروری ہے ہمارا یہ کالج مجلّہ ایسی بہترین ونفیس تحریروں سے مزّین ہے جو اس بات کی عکاس ہے کہ ہماری نئی نسل مطالعے کا بہت زیادہ شوق رکھتی ہے۔کالج مجلّہ طلبا واساتذہ کی تحاریر وانتخاب سے مزّین ہے جس کا مطالعہ آپ کو لطف دے گا۔

اس مجلّہ کی اشاعت میں بہت سے لوگوں نے بے غرض اور شبانہ روز محنت کی ہے۔ سب سے پہلے میں ذکر کرتا چلوں پرنسپل میاں اسماعیل شمیم صاحب کا جنہوں نے عمر کے اس حصے میں گرانیِ صحت کے باوجود ہماری بھر پور رہنمائی کی ، اس کے بعد تمام اساتذہ کا شکر گزار ہوں جنہوں ہر قدم پر میرے ساتھ ہرقسم کا تعاون اور رہنمائی کی ، ادبی تنظیم کے پہلے صدر آصف جمیل خان کا ذکر بھی لازم ہیں جنہوں نے مجلّہ کی اشاعت کے لیے عملی طور پر ہم سے تعاون کیا۔اور آخر میں شکر گزار ہوں اپنی پوری ٹیم کا جنہوں نے ہر قدم پر میرا پورا ساتھ دیا امید کرتا ہوں قارئین کو ہماری یہ کاوش پسند آئے گئی۔

مدیراعلی

میاں تنویر فیصل

صدر ادبی تنظیم پریمئرلاء کالج گوجرانوالہ

حمد

نوازش علی خاں

حمد باری کی نہیں رکھتا تواں تاب بشر
سرنگوں خامہ تو شرمندہ مری عرض ہنر

صرصر خامہ میں ہے زمزمہ بال جبریل
تیرا اعجاز فرشتوں سے بڑھے اہل نظر

ہے تری روح گل انگیز سر لالہ وگل
حسن ازلی کے مظاہر وہ نجم ہو کہ قمر

ڈھونڈنے نکلوں تجھے کوہ و بیابان میں کیوں
تو قرین رگ جاں دل ہے تری راہ گذر

تری قدرت نے ہم کو صورت تکویں بخشی
اور کیا حضرت خاتم کو ہمارا رہبر

لدف دانش ہے غلط کیسے کروں شرح جمال
تیری یکتائی وخود بینی بیاں ہو کیوں کر

تو نے انسان کو یہ نعمت اقرا بخشی
علم اسما سے ہوا اپنا خذف لعل و گہر

تیری قدرت نے ہمیں صورت تکویں بخشی
اور کیا حضرت خاتم کو ہمارا رہبر

میں ہوں سرگرم ثنا خوانی رزاق مبیں
امر ربی سے کرو میرا بھی روشن اختر

نعت

نوازش علی خاں

قلم ہے سرنگوں میرا تو عاجز نطق و جاں میری
کہ توصیف پیمبر کے نہیں قابل زباں میری

وہ بحرین تقدس کا نگیں ہے جاں جاں میری
کروں واللیل کی تفسیر یہ جرات کہاں میری

ترے پاپوش کی پستی میں پنہاں عظمت آدم
معطر ہے پسینے سے ترے یہ جسم و جاں میری

ہوئی قوسین پر یہ فجر کی آئیت رقم تجھ سے
محمد ہیں قمر میرے نبی ہیں کہکشاں میری

منور ہو گیا رمز دل ہستی کا ہر چہرہ
جھکی در پر ترے جب سے جبیں پر وزباں میری

بتایا راز تکویں آپ نے اور آ گہی بخشی
یہ مشت خاک ورنہ آج ہوتی بے نشاں میری

تمہیں ہو باعث تخلیق عالم اور ترے صدقے
ہے الفاظ رُخِ لوح و قلم میں داستان میری

مُن العلُم قلّیلاً بھی عطا و فیض ہے تیرا
سپاس سرتاپا ٹھہری زباں نعت خواں میری

مجھ ایسے بے نوا کو حاضری کیونکر ہوئی ممکن
دعائے صبح تھی یا آخر شب کی فغاں میری

فہرستِ مضامین

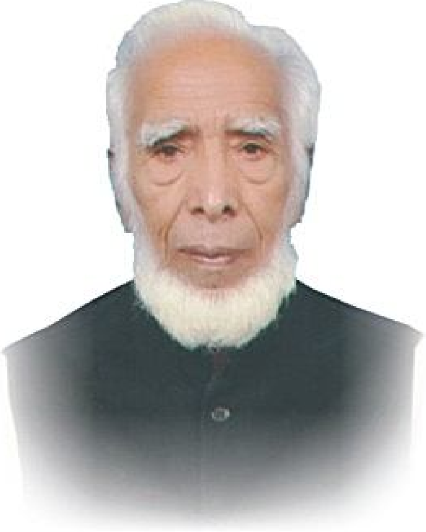

میاں اسماعیل شمیم

پرنسپل صاحب کا انٹرویو

انٹرویو پینل (آصف جمیل خان، میاں تنویر فیصل، حرا سعید)

سوال: ''اسلام علیکم!''

جواب: ''وعلیکم السلام''

سوال: ''کیا حال ہے؟ آپ کا سر!''

جواب: ''الحمد اللہ میں اللہ کے فضل سے خیریت سے ہوں۔''

سوال: ''سر سب سے پہلے تو ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے اپنے قیمتی وقت سے چند لمحات اس مختصری نشست کے لئے وقف کئے۔ امید ہے کہ اس مختصر سے وقت میں آپ کے بارے میں بہت کچھ جاننے کا موقع ملے گا۔''

سوال: ''آپ سے ہمارا پہلا سوال یہ ہے کہ آپ کا پسندیدہ رنگ اور کھانا کونسا ہے؟

جواب: ''رنگوں میں مجھے سفید رنگ پسند ہے اور کھانوں میں پنجابی کھانے ان میں سبزیاں، ملا جلا گوشت اور ہر طرح کا پھل پسند ہے۔ ایک دور تھا جب چائے بہت پیتے تھے مگر دودھ والی چائے، چائے تو اب بھی بہت پیتے ہیں۔''

:''اس کا مطلب ہے کہ آپ کو ایک چیز خاص پسند نہیں بلکہ آپ سب چیزیں شوق سے لیتے ہیں ''

سوال: ''سر آپ اپنے تعلیمی سفر کے بارے میں کچھ بتائیں؟''

جواب: ''میری پیدائش کے قریبی سالوں میں ہمارے ہاں تعلیم بہت کم تھی۔ مسلمانوں میں تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی۔ تو میں ابتدائی تعلیم اسلامیہ مڈل سکول سے حاصل کی۔ اور اسلامیہ مڈل سکول کی، میں سمجھتا ہوں کہ یہ خوبی تھی کہ اس نے ہمیں انسان بنا دیا۔ آپ اسی بات سے اندازہ کریں پرائمری جماعت سے ہی ہمارا اردو گرائمر اور اردو زبان پر پورا کنٹرول تھا۔ ساتویں جماعت کے اردو کے استاد ابراہیم خان جو کہ ہمارے انچارج تھے انہوں نے ہمیں چھٹیوں کے کام میں اپنی ہینڈ رائٹنگ یعنی خوش خطی بہتر کرنے کے لئے علامہ اقبال کی دو کتابوں کا ہوم ورک دیا۔ اور وہ کتابیں تھیں بال جبریل اور۔۔۔۔۔''

سوال: ''اگر آپ کی عمر کو دیکھا جائے تو آپ لگ بھگ آپ ایک صدی گزار چکے ہیں۔''

جواب: ''ہاں بلکل پچانوے سال ہونے کو ہیں۔''

سوال: ''ماشاء اللہ صحت بھی قابل رشک ہے۔ ان کے پیچھے محنت کا عنصر کارفرما ہے یا خوراک کا''

جواب: ''بیٹا اگر سچ پوچھیں تو اس کے پیچھے ایک تصور تھا۔ جو ہمیں ہمارے والدین اور اساتذہ نے دیا کہ بیٹا ہمیشہ محنت کر کے حلال کی کمائی کھاؤ بس۔ اب اس بات کو ذرا Clear کرتا چلوں کہ ماضی میں، میں دو دفعہ لاہور بورڈ کا ممبر رہا، دو ٹرم گوجرانوالہ بورڈ کا ممبر رہا۔ یونیورسٹی کا بھی

جن کو بل کر عشق ہو جائے وہ لوگ تم نے نہیں دیکھے مگر ایسے بھی ہیں

سپورٹس کمیٹی کا ممبر رہا۔اور میں بہت سے انجمنوں کا حتی کہ GG کا چیر مین بھی رہا۔ میں ابھی بڑی طمانت سے اپنے کرائے کے گھر میں رہتا ہوں۔ خیال آتا ہے تو سوچتا ہوں کہ شاید ایسا ہی سہی۔ کبھی اپنا گھر بھی بنا لیتے۔اور اس عمر میں جو سکون ہے کوئی بے چینی نہیں۔ یہی بات میرے سارے دکھ دور کر دیتی ہے۔"

سوال: "آپ بیس بائیس سال کے تھے جب پاکستان بنا۔اپنا آبائی وطن چھوڑ کرنا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ پھر آپ تحریک میں بھی سرگرم رہے۔ پاکستان بننے کی زیادہ خوشی تھی یا اپنا آبائی وطن چھوڑنے کا غم زیادہ تھا؟"

جواب: "دراصل 1940ء میں 1st year میں یہاں ہم آئے۔1940 میں ہی ہماری ملاقات حمید نظامی اور عبدلستار نیازی اور قاسم رضوی جو انبالے میں میرے دسویں کلاس کے ساتھی تھے، ہوئی۔ ہمیں ابتداء ہی سے ہندوؤں کی ذہنیت سے ڈر اور خوف محسوس ہوتا تھا۔ کیونکہ ان کا رویہ ہمارے ساتھ اچھوتوں کا سا تھا۔اگر کوئی چیز دینی ہے تو دور سے ہی دینی ہے۔اگر ہم انہیں چھو جائیں تو ناپاک ہو جائیں۔ہم مسلمانوں کو تعلیم میں ایک بات یہ بھی سکھائی جاتی ہے کہ ہم نے اپنے جسم اور اپنے کپڑوں کو پاکیزہ رکھتا ہے۔یہ ہمارا تہذیبی ورثہ تھا اور وہ لوگ جو گائے کے پیشاپ سے اپنے باورچی خانے پاکیزہ بناتے تھے۔وہ کہتے تھے کہ ہم ان سے بہتر ہیں۔یہ مسلمانوں کے ساتھ کھلی منافقت تھی۔"

سوال: "جب پاکستان بننے کا اعلان ہوا تھا تو آپ کے دل کی کیفیت کیا تھی؟ جو پہلی بات آپ کے دل میں آئی وہ کیا تھی؟"

جواب: "جس وقت پاکستان آزاد ہونے کا اعلان ہوا تھا، ہم اس وقت عیدگاہوں میں دعائیں مانگ رہے تھے۔یہ سنتے ہی ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ کہ ہم نے اپنا وطن جیت لیا۔"

سوال: سر آپ آج کی نئی نسل کو کیا پیغام دینا چاہیں گے؟

جواب: میں یہاں ایک بات عرض کرتا چلوں کہ حضرت حکیم لقمان کے پاس کوئی مریض آتا تو اس کے علاج کیلئے پہلا حربہ یہ استعمال کرتے کہ اس کے وطن کی مٹی بطور دعا استعمال کرواتے کیونکہ جو سکون وطن کی مٹی دے سکتی ہے وہ کسی اور چیز میں نہیں۔اتنے بڑے دانا کی بات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ آزاد وطن اور اس کی مٹی سب سے قیمتی ہوتی ہے۔اسلئے وطن کی مٹی کی قدر کیجئے اور اس سے جُڑی ہر چیز کی قدر کیجئے۔چاہے وہ آپ کی تہذیب ہو یا زبان۔دنیا کی سب سے بدترین چیز غلامی ہے۔خواہ وہ ذہنی ہو یا جسمانی۔خدا میری موجودہ اور آنے والی نسلوں کو اس عذاب سے محفوظ رکھے۔اسلام ہمارا مذہب ہی نہیں ضابطہ حیات بھی ہے کوشش کیجئے کہ اپنی زندگیوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالیں۔آخر میں احمد ندیم قاسمی کا ایک شعر عرض کرتا چلوں اور اپنی بات کا اختتام کروں گا

خدا کرے کہ میری ارض پاک پر اترے
وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو

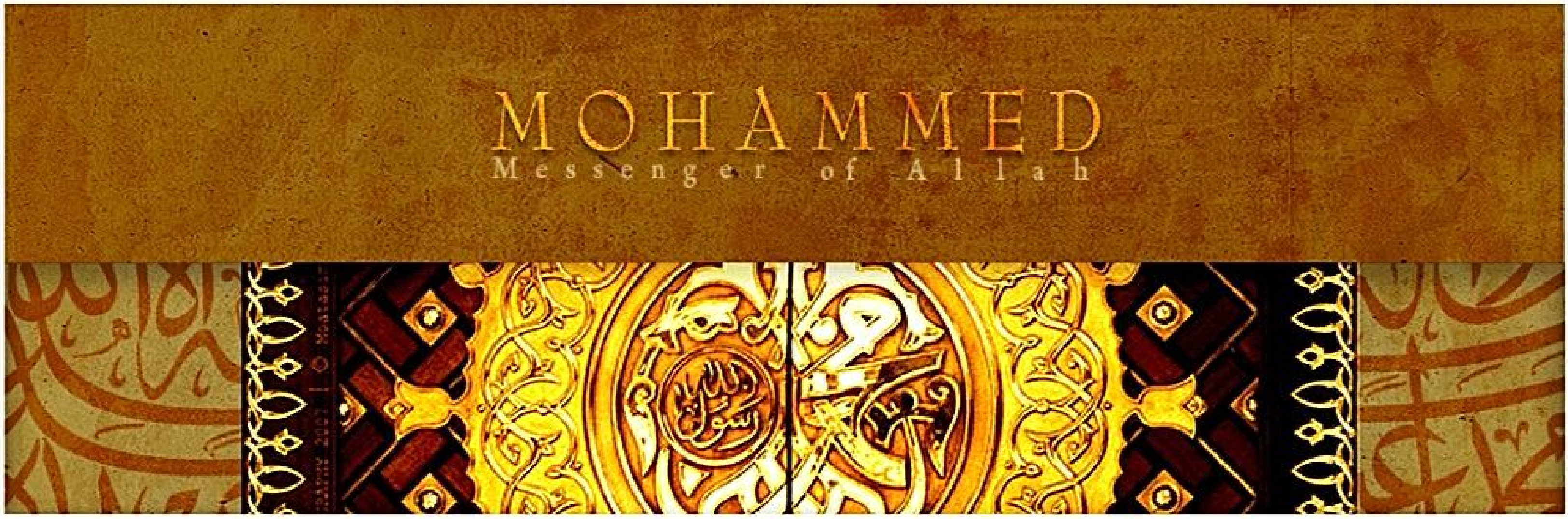

سیرت نگاروں کا عشق بنوی

سیدانضرمحمودشاہ
مذہبی سکالر

ؐ انسانی تاریخ میں نبی کریم کی شخصیت وہ واحد شخصیت ہے جن کی سیرت پر لکھنے والوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ یوں تو ہر سیرت نگار نے سیرت النبی ﷺ پر لکھتے ہوئے نبی کریم سے اپنے عشق محبت اور جذبات کا اظہار کیا ہے مگر برصغیر میں چند ایسی شخصیات بھی ہیں جنھوں سیرت النبی پر لکھتے ہوئے اور بالخصوص مشرکین کے اعتراضات کے رد میں جب سیرت النبی پر لکھا تو انتہائی نامساعد حالات اور مالی تنگی کے باوجود عشق نبی میں ڈوب کر ایسا کام کیا کہ ہمیشہ کے لیے امر ہوگئے ا۔ان سیرت نگاروں میں مولانا شبلی نعمانی کا تذکرہ ملتا ہے ڈاکٹر محمود احمد غازی مولانا شبلی نعمانی کرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

علامہ شبلی نعمانی کو جب پہلی مرتبہ مستشرقین کے ان خیالات کا اندازہ ہوتو ان کے دل میں خیال آیا کہ ان سب اعتراضات اور شبہات کا ایک مفصل جواب لکھا جائے شروع میں ان کا خیال تھا کہ ایک وقت میں سب کام چھوڑ کر صرف اس کام کو کروں گا، چنانچہ تمام کاموں سے بے فکر ہوکر اپنے آپ کو اس کام کے لیے وقف کردیا۔ایک ادارہ اسی کام کے لیے انہوں نے قائم کیا۔اپنا مکان اپنی جائیداور اپنا باغ اور کتب خانہ اور پیسہ وقت کر کے دائرہ المعارف النبویہ لکھنے کا منصوبہ بنایا۔

مولانا شبلی نے ایک خط میں لکھا ہے کہ اگر میں مر نہ گیا اور ایک آنکھ بھی سلامت رہی (مولانا شبلی کو شدید قسم کی شوگر تھی جس کی وجہ سے ایک ٹانگ بھی کٹ گئی تھی اور ایک آنکھ کی بینائی بھی کم ہوگئی تھی تقریبا جواب دے گئی تھی ،اس وقت کی طرف اشارہ کیا ہے) تو ان شاء اللہ دنیا کو ایک ایسی کتاب دے جاوں گا جس کی توقع دنیا کو سو برس تک نہیں ہوسکتی بہت سی کتابیں جو آج دستیاب ہیں اس وقت موجود نہیں تھیں وہ ابن کیثر کی کتاب البدایہ والنہایہ کے شدت سے مشاق اور قائل تھے ایک جگہ لکھا ہے افسوس تاریخ ابن کیثر نہیں وہ جاتی تو ساری مشکلیں حل ہوجائیں۔

مستشرقین اور دوسرے مغربی اہل علم کے اعتراضات کا مدلل جواب دینا مولانا شبلی کے پیش نظر روز اول ہی سے تھا۔ان اعتراضات کا پس منظر بیاں کرتے لکھتے ہیں۔

مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کے حالات اور واقعات کا ایک ایک حرف اس استقصاء کے ساتھ بیان کیا کہ

ملازمت کو چھوڑ دیا وہیں آ کر بیٹھ گئے، پھر مسلسل تین سال تک استاد کے بنائے ہوئے مرکز میں بیٹھ کر سیرت النبی ﷺ کی چھ جلدیں مکمل کر دیں اور اس شان سے مکمل کر دیں کی استاد چار جلدوں میں کتاب مکمل کر دی کہ استاد چار جلدوں میں کتاب مکمل کرنا چاہتے تھے، شاگرد نے سات جلدیں لکھ دیں۔ مولانا شبلی کے پہلے ہی جملے سے واضح ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں عالم کائنات کا سب سے بڑا مقدم فرص اور سب سے زیادہ مقدس خدمت یہ ہے کہ نفوس انسانی کے اخلاق وتربیت کی اصلاح وتکمیل کی جائے گو یا وہ پوری سیرت کو اس ارشاد کی بنانا چاہتے تھے کہ میں مکام اخلاق کی تکمیل کی کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

مفتی عنایت احمد کا کوریں نے جن مشکل بلکہ ناممکن حالات میں سیرت النبی ﷺ پر کام کیا ان کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود احمد غازی کہتے ہیں مفتی عنایت احمد کا کوروی شمالی ہندوستاں میں ایک چھوٹا سا شہر کاکوری ہے، وہاں کے رہنے والے ہیں مفتی عنایت احمد کاکوروی جنگ آزادی میں شریک تھے۔ پہلی مرتبہ جہاد کے وجوب کا فتوی جن لوگوں نے دیا ان میں مفتی عنایت احمد کاکورعی بھی شامل ہیں اور جہاد کیا اس تاریخی فتوی پر ان کے دستخط بھی ہیں انہوں نے فتوی دیا رائے عامہ کو بھی ہموار کیا اور عملا جہاد میں حصہ بھی لیا۔ چنانچہ جب انگریزوں کو کامیابی ہوئی اور مجاہدین کو شکست ہوئی تو بہت سے لوگوں کو سزائے موت دی گئی۔ کچھ لوگوں کو کالا پانی یعنی جزائر انڈیمان بھیج دیا گیا۔ مفتی عنایت احمد کاکوروی بھی ان لوگوں میں شامل تھے جن کو جزائر انڈیمان بھیج دیا گیا تھا مفتی عنایت احمد کاکوروی بڑے عالم فاضل تھے۔ لیکن جزائر انڈیمان میں قید با مشقت کے دوران جو کام ان کے سپرد کیا گیا وہ تھا جزائر میں جتنی گندگی لوگوں کے گھروں میں جمع ہو اس کو اٹھا کر آبادی سے باہر پھینکا کریں۔ اس زمانے میں غسل خانوں کا انظام نہیں تھا وہ لوگوں کے گھروں میں جا کر گندگی صاف کرتے اور اس کو ایک بڑے ٹوکرے میں ڈال کر کندھے پر اٹھاتے اور آبادی سے باہر پھینک آتے۔ ظاہر ہے اس زمانے میں ان کے پاس نہ وقت تھا نہ مطالعے کے موقع اور نہ ہی مصادر اور ماخش کی کتابیں۔ اس کے باوجود اس کتاب کو چھ شائع کرنا ٹھیک نہیں۔ اس لیے مسودہ اپنے پاس رکھ لیا اتفاق کی بات ہے۔ کہ ان کی ملاقات کسی شریف انگریز سے ہوگی۔ یہ انگریز ان علم وفضل سے بہت متاثر ہوا۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ مولانا سابق قاضی اور جج رہے ہیں۔ اور یہاں عمر قید کی سزا بھگت رہے ہیں تو اس نے سفارش کر کے مفتی صاجب یتنوں مسودے لے کر ہندوستان واپس آئے۔ یہاں انہوں نے تواریخ جیب الہ کے مندرجات کو مصادر وماخذ سے چیک کیا اور کہیں ایک حوالہ بھی غلط نہیں پایا اس کو شائع کر دیا۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی ڈاکٹر حمید اللہ کا ایک اہم تحقیقی کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے عہد نبوی کی ڈپلومیسی اور سفارت کاری پر اتنا وقیع اور قابل ذکر کام کیا کہ اتنا کام کیا کہ اتنا کام نہ ماضی میں کسی نے کیا کہ اتنا کام نہ ماضی میں کسی نے کیا ہے نہ ان کے معاصرین میں کسی نے کیا ہے اور نہ بعد میں آنے والوں نے کیا ہے سب سے پہلے انہوں نے صدر اسلام کی ڈپلومسی اور نہ بعد میں آنے والوں نے کیا ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے مسلم انٹرنیشنل لا پر ایک کتاب لکھی۔ اس کے بعد انہوں نے جرمنی کی بون یونیورسٹی میں ایک دوسرا تحقیقی مقالہ لکھا جس میں انہوں نے صدر اسلام کی ڈپلومیسی میں غیر جانبداری کے تصور کے موضوع پر تحقیق کی۔ ان سے پہلے کسی نے اس کو ایک تصور کے طور پر بیان نہیں کیا تھا۔ ان کا یہ مقالہ ۱۹۳۳ میں جرمنی میں زنان میں شائع ہوا۔ انہوں نے اس تحقیق کے دوران یہ محسوس کیا کہ ایک ایسی بے شمار دستاویزات ہیں جو عہد نبوی کی سفارت کاری سے متعلق ہیں اور ان کو یکجا کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ انہوں نے ساڑھے چار سو کے قریب یہ دستاویزات وثائق اور معاہدہ جات جمع کیے جو حضور علیہ الصلوہ والسلام اور خلفائے راشدین کے وشیقہ جات کا سب سے بڑا مجموعہ ہے۔ اس سے بڑا مجموعہ نہ پہلے کوئی مرتب ہوا تھا۔ نہ ان کے معاصرین

میں سے کسی نے مرتب کیا نہ ان کے بعد اب تک کسی نے کیا۔ اس کے بعد ان کو خیال آیا کہ عہد نبوی کے میدان ہائے جنگ پر ایک کتاب لکھی جائے ۔ چنانچہ انہوں نے جب حجاز کا سفر کیا تو مختلف غزوات کے مقامات کو خود جا کر دیکھا اور یہ دیکھا کہ جو تفصیلات واقدی نے بیان کی ہیں وہ موجودہ نقشہ کے مطابق کس حد تک پوری اترتی ہیں۔ واقدی کے بعد غالبا ڈاکٹر حمید اللہ دوسرے آدمی ہیں جنہوں نے خود جا جا کر ان سب مقامات کو دیکھا اور وہاں کئی کئی مہینے رہ کر یہ کام کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے خود مجھے بتایا کہ میں نے فیتہ لے کر ناپ کر ان جگہوں کا تعین کیا اور نقشے بنائے۔ سب سے پہلے ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب پہلی بار ۱۹۴۴ میں حیدر آباد دکن میں چھپی جس میں انہوں نے نقشے بنائے۔ بہت مقبول خود ڈیزائن کئے۔ بعد میں بہت سے مصنفین ان نقشوں کو نقل کرتے آئے ہیں لیکن اصل کام ان کا تھا۔

ڈاکٹر حمید اللہ پوری زندگی اس موضوع پر کام کرتے رہے۔ انہوں نے یہ تمام تحقیقات تقریبا ایک ہزار مقالات میں بیان کی ہیں۔ ان ایک ہزار مقالات کی فہرست انہوں نے اپنی زندگی میں مرتب کرائی تھی۔

مولانا الطاف حسین حالی نے سرسید احمد خان کی سیرت النبیؐ کے حوالے سے کاوشوں کا ذکر کیا ہے۔ سر ولیم میور کی کتاب لائف آف محمد کے جواب کے لیے سیر سید احمد خان نے کس جذبے، جوش اور عشق نبویؐ میں ڈوب کر اس کا جواب سیرت احمد یہ لکھ کر دیا۔ مولانا الطاف حسین حالی لکھتے ہیں:

جب سر ولیم کی کتاب لائف آف محمدؐ چار جلدوں میں چھپ کر ہندوستان میں پہنچی، جس کی نسبت عیسائیوں میں مشہور تھا کہ اس نے اسلام کے استحصال میں تسمہ لگا نہیں رکھا، اس وقت جو حال سرسید احمد کی بے چینی اور جوش و خروش کا تھا وہ ہم نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔

اس وقت میری سرسید احمد سے جان پہچان نہ تھی مگر چونکہ ہم انہیں کی کوٹھی میں ٹھہرے تھے۔ ان کے خیالات معلوم کرنے کا اکثر موقع ملتا تھا وہ جب کبھی اور کاموں سے فارغ ہو کر بیٹھتے تھے۔ اور نہایت افسوس کے ساتھ کہتے تھے کہ اسلام پر یہ حملے ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کو مطلق خبر نہیں۔

مگر معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار جب انہوں نے دیکھا کہ ۱۸۵۷ کے ہنگامہ ہندوستان کے تمام اسلامی کتب خانے برباد ہو گئے ہیں اور جن کتابوں کی اس مضمون کے لیے ضرورت ہے وہ یہاں دستیاب نہیں ہو سکتیں تو ان کو ولایت جانے کا خیال آیا۔ چنانچہ ایک دو برس بعد جب سید محمود کا ولایت جانا قرار پایا تو وہ بھی ان کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

سیرت احمد یہ لکھتے وقت جس قدر جوش و خروش سرسید کے دل میں تھا۔ اور جو مالی مشکلات ان کو اس کے شائع کرنے میں پیش آئیں اور جو سخت محنت اس کے لکھنے میں ان کو کرنی پڑی اس کا کسی قدر اندازہ ان کے خطوں سے ہوتا ہے۔ جو انہوں نے ولایت سے مولوی سید مہدی علی خان کے نام بھیجے ہیں۔

ڈاکٹر محمو احمد غازی سرسید کے بارے میں کہتے ہیں

وہاں انہوں نے اپنے دوستوں اور خاص طور پر نواب محسن الملک کے ساتھ جو خط و کتابت کی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس انداز سے یہ کام کرنا چاہتے تھے۔ ایک خط میں لکھا ہے کہ کل میں انڈیا آفس کا کتب خانہ دیکھنے گیا تھا۔ دیکھ کر ہوش جاتے رہے۔ کتب خانہ کیا ہے۔ کتابوں کا ایک شہر ہے۔ جس کتاب کا نام لو وہ کتاب موجود ہے۔ مجھے وہاں بیٹھے پڑھنے کتابیں لینے اور نقل کرنے کی بھی اجازب مل گئی ہے یوں وہاں بیٹھ کر سرسید احمد نے کتاب لکھنا شروع کر دی لیکن انگلستان میں قیام کے اخراجات سرسید بس کی بات نہیں تھی، وہاں سے وہ اپنے دوستوں اور مختلف لوگوں کو لکھ لکھ کر قرض مانگتے رہے ایک موقع ایسا آیا کہ قرض دینے کے لیے لوگ تیار نہ ہوئے تو انہوں نے نواب محسن الملک کو خط لکھا کہ کہ میرا افلاس

مکان فروخت کر دواور مجھے رقم بھیج دو پھر ایک جگہ لکھا کہ میرے فلاں فلاں مکان میں تا بنے اور پیتل کے بہت برتن ہیں۔ سارے فروخت کر کے رقم بھیج دو۔ ایک جگہ یہ لکھا کہ میں اس کام میں بے گھر اور بے سہارا ہونے کو تیار ہوں۔ جب قیامت میں کہا جائے گا کہ لاؤ اور خاضر کرو اس فیقر اور مسکین کو میرے لیے یہی اعزاز بہت ہے۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دِل بھی چمکا دے چمکانے والے
برستا نہیں دیکھ کر ابر رحمت
بدوں پر بھی برسا دے برسانے والے
مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے
غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے
تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے
میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو
کہ رستے میں ہیں جا بجا تھانے والے
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے اوہ جانے والے
رضاؔ نفس دشمن ہے دم میں نہ آنا
کہاں تم نے دیکھے ہیں چندرانے والے

مشکلات کا حل قرآن

ڈاکٹر عبدالماجد المشرقی
پی ایچ ڈی (انگلش) لندن

نہ سمجھو گے تو مٹ جاوگے اے غافل مسلمانو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

آج دنیا کا مسلمان گونا گو مشکلات میں گھرا ہوا ہے۔ زوال وجود مسلمانوں کا قصدر ہو چکا ہے چھوٹی چھوٹی قومیں ان پر غالب آ رہی ہیں۔ کہیں عربوں کو اسرائیل کے ہاتھوں سزا مل رہی ہے تو کہیں اہل پاکستان کو خون کے آنسو رونے پڑ رہے ہیں

ایسا کیوں ہے۔ سوچیۓ۔ غور کیجئے۔!

یہ نتیجہ ہے قرآن سے روگردانی قرآن سے بے بہرہ ہونے کا اور نہ قرآں پر عمل نہ کرنے کا۔ اسی لیے شاعر مشرق حکیم اطاقت علامہ محمد اقبال نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

ہم مسلمان تعلیمات قرآن سے کہیں دور جا پڑے ہیں۔ قرآنی آیات ہم پر اثر نہیں کرتیں قرآن جو مکمل ضابطہ حیات ہے ہمارے لیے صرف اس کی اہمیت صرف اتنی رہ گئی ہے کہ جان کے مشکل وقت میں اس کی آیات کی تلاوت سے موت کے مرحلے آساں بنا سکیں۔

با آیاتش ترا کا جزیں نیست
کہ از یسن او آساں طیری

کیا کیا جائے اور کیا کیا جائے ستم ظریفی تو یہ ہے کی ہمارے پاس چشمہ فیض موجود ہے اور ہم نیم حکیموں کے پیچھے لگے ہیں۔ ہمارے پاس فرینہ نور

مرد کا امتحان عورت سے اور عورت کا امتحان پیسے سے ہوتا ہے۔

موجود ہے اور ہم اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ ہمارے پاس آب حیات موجود ہے اور ہم سراب
کے پیچھے پڑے ہیں۔ ہمارے درد کا درواں دکھوں کا مداوا اور مشکلات کا
حل قرآن اور صرف قرآن ہے۔ قرآن کو دلوں میں بسانے
والوں نے چیتھڑے پہن بادشاہوں کی قبائیں نوچیں اور
پیٹ پر پتھر باندھ کر شہنشاہوں کے تاج اتارے
عرب کے شربانوں کی مثال ہمارے سامنے
موجود ہے۔ وہ عرب جن کے ہاتھوں میں اونٹوں
کی نکیل کے سوا کچھ نہ تھا انہیں کے ہاتھوں میں
عرب وعجم کی جہانبانی وجہاں رانی کی باگیں
آگیں۔ وہ عرب جن کو آپس میں لڑتے جھگڑتے
اورلوٹ مار کے پیشے کے سوا کچھ نہ آیا تھا۔ وہ دنیا بھر کے
امام اور پیشوا بن گئے۔ وہ آن واحد میں فرش ذلت سے عرش عزت
پر جلوہ آرا ہوگئے۔ ہماری ترقی کا راز اہی شاہراہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قرآن نے
دکھائی ہے۔ اس شاہراہ پر چلتے ہوئے ہم عرب کے ریگزاروں سے نکل کر ہسپانیہ کے فرغزاروں تک آپہنچے۔ اسی شاہراہ پر چلتے ہوئے ہم نے قیصر وکسریٰ کے تاج پاوں تلے روندڈالے اور یہی شاہراہ ہمیں افریقہ کے تپتے ہوئے صراوں اور کوہ ابرز کی برفانی چوٹیوں تک لے گئی۔ یہ تمام ترقی صرف قرآنی تعلیمات کا ہی کرشمہ تھا یہ قرآن پر عمل کرنے کی کرامت تھی۔

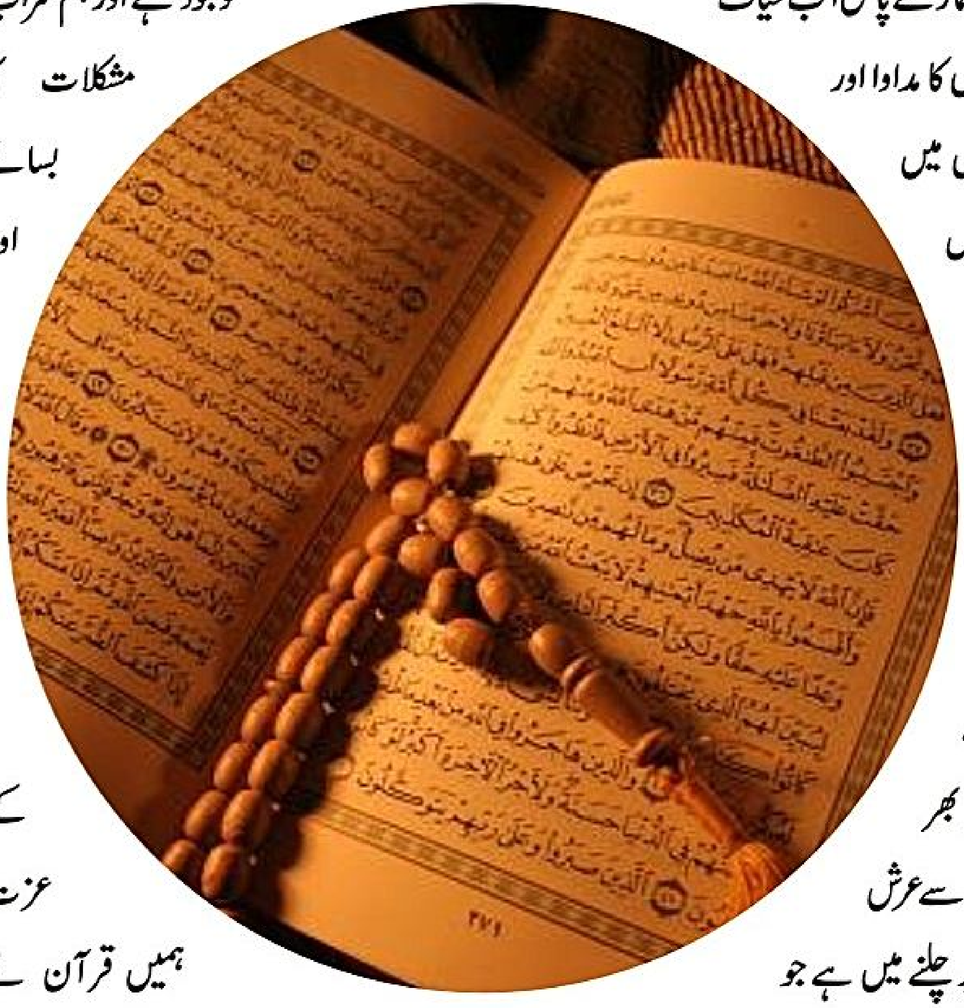

مسلمانوں کی ترقی کا زمانہ آج بھی واپس لوٹ سکتا ہے۔ صرف قرآن پر عمل کرنے کی ضرورت ہے قرآن مکمل ضابطہ حیات ہے۔ وہ کونسا شعبہ حیات ہے کونسا رندگی کا پہلو ہے جو قرآن سے منور نہیں ہے

بانی پاکستان حضرت قائداعظم نے فرمایا تھا

وہ کونسا رشتہ ہے جس میں منسک ہونے سے تمام مسلماں جسد واحد کی طرح ہیں وہ کونسی چٹاں ہے۔ جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے وہ کونسا لنگر ہے جس سے اس ملت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے۔ وہ رشتہ وہ چٹاں اور وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن حکیم ہے

قرآن نے قدم قدم پر ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔ اقتصادیات معاشیات سیاست غرض رندگی کے ہر شعبے میں قرآنی آیات موجود ہے دنیا میں غربت محتاج نہیں رہ سکتا مفلس ونادار نہیں مل سکتا اگر زکوۃ دی جائے، حق ہمسایہ ادا کیا جائے۔ چور کے ہاتھ کاٹنے سے چوری ختم ہوسکتی ہے۔ زانی کو درے لگانے سے زناء ختم ہوسکتا ہے۔ العرض معاشرہ تمام برائیوں سے پاک ہوسکتا ہے اگر قرآنی تعزیرات پر عمل کیا جائے

قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ لوگ فخر کرنے لگیں مساجد کی وجہ سے۔ (سنن ابن ماجہ، جلد اول، حدیث نمبر 739)

قرآن مجید میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے۔

''اے مسلمانو تم وہ ہیبت پیدا کرو اور تمہارے اصطبلوں میں گھوڑے اس ٹھاٹھ سے بندھے ہوں کہ اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن تمہارا نام سن کر غش کھا جائیں''

افسوس ہم اس قرآنی حکم پر عمل نہ کر سکے۔آہ! وہ دن یاد آتے ہیں جب حضرت سید بن ابی وقاصؓ نے دریائے دجلہ میں گھوڑے ڈال دیئے تھے تو ایرانی سپہ سالار رستم نے بیچارگی میں ایک آہ بھر کر کہا تھا۔دیواں آمدنت دیواں آمدنت

وہ زمانہ بھی یاد ہے جب فاروق اعظمؓ کی افواج قاہرہ میں شہنشہان روما کے چھکے چھڑا رہی تھیں جب صلاح الدین ایوبی کی للکار ایوان یورپ میں تہلکہ مچا رہی تھیں۔جب ترکان عثمانی کے سر بکف نوجوان آسٹریا کے دارالحکومت کا محاصرہ کر رہے تھے۔جب بحیرہ روم کی نیلی سطح پر ہماری اجازت کے بغیر کسی قوم کا جہاز ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتا تھا دور حاضر کے مسلمانوں میں کیا آج وہی ہیبت میں موجود ہے۔نہیں۔! یہ ہیبت ہم قرآن پر عمل کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔

کچھ کوتاہ اندیش خیال کرتے ہیں کہ قرآن سائنس کے خلاف ہے سائنسی ترقی کی راہ میں حائل ہے۔ایسا وہی سوچ سکتے ہیں جو قرآن سے بے بہرہ اور نابلد ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے جتنا زور تسخیر کائنات پر دیا ہے اتنا کسی اور مسئلے پر نہیں دیا۔قرآن نے سات سو چھپن آیات کائنات کو تسخیر کرنے کے بارے میں ہیں۔غرض زندگی کے ہر شعبے میں قرآن نے ہماری راہنمائی فرمائی ہے اور ہماری مشکل کو حل کیا ہے ان حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ مسلمان کے تمام دکھوں کا علاج قرآن حکیم کی تعلیمات ہی سے ممکن ہے۔حضرت علامہ اقبال نے غلط تو نہیں کہا تھا کہ

گر تو، میخواہی مسلماں زلتن

نیشت ممکن جز نہ قرآن زلتن

عدل فاروقیؓ

تنزیل زبیر
ایل ایل بی (2018-2015)

''کیا بات ہے بیٹی؟'' امیر المومنینؓ نے اپنی عقابی نگاہوں سے لڑکی کو گھورتے ہوئے کہا۔ لڑکی نے اپنے آپ کو ایک لمبی چادر مین لپیٹ رکھا تھا اور ایک ستون کے سہارے کھڑی کچھ سوچ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتی ہے مگر شرم وحیا اظہار میں مانع تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے دوبارہ پوچھا ''بیٹی کیا کہنا چاہتی ہو تم؟'' لڑکی سمٹتی ہوئی آگے بڑھی اور اپنی چادر سے ایک شیر خوار بچے کو نکال کر چٹائی پر لٹا دیا اور کہا ''حضرت! یہ آپ کے صاحبزادے ابوشحمہ کا بچہ ہے'' اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

حضرت عمرؓ دم بخود ہو کر بیٹھ رہے حاضرین بھی فرطِ حیرت سے بت بنے بیٹھے تھے۔ ہر طرف سکون طاری تھا۔ مسجد نبوی میں آج تک ایسا واقع نہیں ہوا تھا۔ یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا کہ خلیفہ اسلام کے بیٹے پر الزام لگایا گیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے نہایت حوصلے سے کہا ''اے بیٹی! تیرا ذہن غلطی تو نہیں کھا رہا؟''

''اے رسول کے نائب! ایک عورت اپنے بچے کے باپ کو کیونکر بھول سکتی ہے؟ یہ ابوشحمہ کا ہی بیٹا ہے؟'' پھر کچھ توقف سے بولی ''اے امت مسلم کے ناخدا میں کہاں جاؤں؟''

خلیفہ اسلام کی آنکھو میں آنسو آ گئے اور کہا تو واقعی ستائی ہوئی ہے۔ اگر ابوشحمہ نے ایسا ہی کیا ہے تو دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے شرعی احتساب سے نہیں بچا سکتی؟ یہ کہ کر آپ کھڑے ہو گئے اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو ساتھ چلنے کو کہا اور گھر پہنچ گئے۔ امیر المومنینؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا اور پوچھا ''ابو شحمہ اندر ہے؟'' آپؓ کی اہلیہ محترمہ نے جواب دیا ''ہاں کھانا کھا رہا ہے'' آپؓ نے کہا ''اس سے کہو جی بھر کر کھالے شاید یہ اس کا آخری کھانا ہو''۔ یہ سن کر ابوشحمہ کے ہاتھ سے لقمہ گر پڑا۔ حضرت عمرؓ اس کے قریب پہنچ گئے اور فرمایا ''ابوشحمہ جانتے ہو میں کون ہوں''

ابوشحمہ: ''آپ میرے والد محترم اور امیر المومنین ہیں''

حضرت عمرؓ: ''کیا تم پر میرا حق اطاعت واجب ہے''

ابوشحمہ: ''مجھ پر آپ کے دو حقوق ہیں''

حضرت عمرؓ: ''تو میں اپنے حقوق کو درمیان میں لا کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے ایک سال پہلے ایک یہودی کے گھر شراب پی تھی؟''

ابوشحمہ: ''جی ہاں! لیکن میں نے پھر توبہ کر لی تھی''

حضرت عمرؓ: ''کیا یہ سچ ہے کہ تم نے شراب کے نشے میں مغلوب ہو کر ایک لڑکی سے زیادتی کی تھی؟''

یہ کہتے ہی حضرت عمر فاروق نے ابوشحمہ کو کلائی سے پکڑا اور مسجد نبوی کی طرف لے گئے۔ شہر میں منادی کرادی کہ مسلمان ابھی مسجد نبوی میں حاضر ہو ں تا کہ مجرم پر حد مقرر کی جائے۔ نقیب روزانہ گرج گرج کر خلیفہ وقت کا حکم سنایا کرتا تھا۔ آج اس کی آواز دبی دبی سی تھی ایک ایک لفظ رک رک کر نکلتا اور آنکھیں وفور غم سے ڈبڈبا جاتی تھیں۔ لوگ گروہ در گروہ مسجد کی طرف آنے شروع ہو گئے جب مجمع کثیر تعداد میں جمع ہو گیا تو امیر المومنینؓ نے کھڑے ہو کر حدود اللہ پر ایک جامع خطبہ کیا اور فرمایا ''خدا کی قسم اس لڑکی نے سچ کہا تھا

ابوشحمہ نے واقعی اعتراف کر لیا ہے اور واقعی اس نے اس لڑکی کو بے عزت کر دیا تھا۔ اس لیے میں نے ابوشحمہ کو حدیں مقرر کر دیں اب اس کو آپ حضرات کی موجودگی سو درے لگائیں جائیں گے۔ یہ کہہ کر امیر المومنینؓ نے اپنے غلام کی طرف دیکھا اور اُسے پکارا ''یا افلح'' غلام نے چونک کر کہا لبیک امیر المومنین۔ مسجد نبوی میں ایک بار پھر آواز گونجی ''اپنا درہ سنبھالو''۔

افلح یہ سن کر کانپ اُٹھا اور روتے ہوئے کہا ''اے آقا میں اپنے آقا زادے پر کوڑے لگاؤں میرے حواس مختل اور بازو شل ہو چکے ہیں۔ یہ کام کسی دوسرے کے سپرد کر دیں'' حضرت عمر نے غضب ناک ہو کر کہا ''اے افلح تجھ کو معلوم نہیں کہ میری اطاعت اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہے تو کدا اور رسول ﷺ کے حکم سے گریز کر رہا ہے۔ تجھے ایسا کرنا ہوگا''۔

افلح نے سہمی ہوئی نظر سے امیر المومنینؓ کی طرف دیکھا قہر و جلال سے آپ کی آنکھیں شعلہ جوالہ بن رہے تھیں۔ بدن غصہ سے کانپ رہا تھا۔ اس نے سوچا وہ شخص جو اپنے جگر گوشے کے معاملے میں اتنا عادل ہو وہ اسے کب بخش سکتا ہے۔ لہذا اس نے لرزتے کانپتے ہوئے ابوشحمہ کے بدن سے کپڑے اتارے، ہر طرف سے صدائے گریا بلند ہوئی۔ اس وقت امیر المومنین کے پہلو میں ایک درد سا اٹھا، فولادی دل موم بن کر پگھلا، آنکھوں سے چند قطرے نکل آئے اور کہا اے بیٹے ''میں اس لئے کر رہا ہوں تا کہ قیامت کے دن ہم رسوائی سے بچ جائیں''، پھر افلح کو کہا ''ہاں مارے جا اور رعایت نہ ہو''

ابوشحمہ باپ کی طرف سے مایوس ہو گیا۔ کہیں سے امید کی کرن نہ دکھائی دی تو آنکھیں زمین کی جانب جھک گئیں۔ افلح نے درہ سنبھالا اور ابوشحمہ کے

برہنہ جسم پر حدیں مارنا شروع کر دیں۔ 70 درے لگے تھے کہ ابوشحمہ نے دردناک آواز میں باپ سے کہا ''ذرا پانی پلا دو'' حضرت عمرؓ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''بیٹا صبر کرو اب تو آب کوثر ہی تیری پیاس بجھائے گا'' ساتھ ہی افلح کو کہا ''ضرب لگاؤ، جلدی جلدی کوڑے پورے کرو''

80 کوڑے لگے تھے کہ ابوشحمہ نڈھال ہو کر گر پڑے اور امیر المومنین کو الوداعی سلام کہا، حضرت عمرؓ نے روتے ہوئے کہا ''وعلیکم سلام اگر رسالت معآب حضور ﷺ پہنچنے کا شرف حاصل ہو تو میرا اسلام عرض کرنا۔ اے اللہ کے سچے نبی ﷺ تیرے خادم عمرؓ کو اس حالت میں چھوڑ آیا ہوں کہ قرآن پڑھا تھا اور اس حالت میں حکم جاری کرتا تھا۔ ابوشحمہ شدت قربہ سے چلا رہے تھے پھر آواز گونجی اے افلح ہاں زور سے ہاں زور سے 90 درے لگ گئے ۔ابوشحمہ بیہوش ہو گئے ۔صحابی دیکھ کر آگے بڑھے، عرض کیا ''اے امیر المومنین ذرا ٹھہریے۔ ابوشحمہ کی آواز سنائی نہیں دیتی، دیکھیں زندہ بھی ہے یا نہیں۔ پھر فرمایا ''جب گناہ میں تاخیر نہیں ہوئی تو سزا میں کیسے تاخیر ہو سکتی ہے'' یہ سن کر صحابہؓ رونے لگے۔ حضرت عمرؓ یہ فرما رہے تھے کہ ابوشحمہ کی والدہ بیٹے کی فلک شگاف آواز چیخیں سن کر باہر آئیں اور کہا ابوشحمہ پر رحم فرمائیے، میں اس کے ہر درے کے بدلے پا پیادہ حج کروں گی اور زر کثیر صدقہ ادا کروں گی۔ فاروق اعظمؓ نے فرمایا ''حج اور صدقے سے حد پوری نہیں ہوتی''

افلح کو حکم ملا ''حد پوری کرو'' غلام نے درہ اٹھایا اور ابوشحمہ کو لہولہان کر دیا۔ جونہی آخری کوڑا پڑا، کابل سے مصر تک وسیع مملکت کے فرماں روا نے لپک کر اپنے بیٹے کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن اس کا طائر قفس عنصری سے پرواز کر چکا تھا۔ سر زانوں پر رکھ لیا اور آسمان کی جانب نظر اٹھا کر کہا ''لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بیٹے کے معاملے میں احکام ملا ثابت قدم رہنے کی توفیق فرمائی'' ابوشحمہ کی لاش کو جنت البقیع میں دفن کر دیا۔ 40 دن کے بعد حذیفہ یمانیؓ نے آکر بتایا کہ میں نے رات خواب میں آنحضور ﷺ اور ابوشحمہ کو دیکھا۔ جو سبز لباس پہنے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''اے حذیفہؓ عمرؓ سے میرا اسلام کہنا۔ واقعی اس نے قرآن پڑھا اور اللہ کے احکام کی تعمیل کا حق ادا کیا''۔

حضرت عمرؓ یہ سن کر بیتاب ہو گئے اور آنسو چھلکنے لگے'' حذیفہ یمانیؓ نے بعد میں ابوشحمہ کی طرف دیکھا تو اس نے کہا ''حذیفہ میرے باپ کو میرا اسلام کہہ دینا اور عرض کرنا کہ آپ نے حد جاری کر کے مجھے گناہوں سے پاک کر دیا ہے'' اللہ آپ کو اجر عظیم عطاء فرمائے۔ (آمین)

حدیث نبویؐ

(نماز)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام کی عمارت پانچ ستوں پر قائم کی گئی ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینا یعنی اس حقیقت کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔

(رواہ البخاری، باب دعاؤکم ایمانکم، رقم: ۸)

حضرت شیخ بایزید بسطامیؒ

مس عظمی سلیمان
کوآرڈینیٹر (بی اے)

حضرت شیخ بایزید بسطامی نے فرمایا کہ میں ایک سفر میں خلوت سے لذت حاصل کر رہا تھا اور فکر میں مستغرق تھا اور ذکر سے انس حاصل کر رہا تھا کہ میرے دل سے صدا اسنائی دی۔اے! بایزید در سمعان کی طرف چل اور عیسائیوں کے ساتھ ان کی عید اور قربانی میں حاضر ہو۔اس میں ایک شاندار واقع ہوگا۔

تو میں نے ''اعوذ باللہ'' پڑھا اور کہا کہ پھر اس وسوسہ کو دوبارہ نہیں آنے دوں گا۔ جب رات ہوئی تو خواب میں ہاتف کی آواز سنی۔ جب بیدار ہوا تو بدن لرز رہا تھا۔ پھر سوچنے لگا کہ اس بارے میں فرمانبرداری کروں یا نہ، پھر میرے باطن سے آواز آئی کہ ڈرومت کہ تم ہمارے نزدیک اولیاء اخبار میں سے ہو اور ابرار کے دفتر میں لکھے ہوئے ہو لیکن راہوں کا لباس پہن لو اور ہماری رضا کیلیئے زنار باندھ لو

آپ پر کوئی گناہ یا انکار نہیں ہوگا۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ صبح سویرے میں نے عیسائیوں کا لباس پہنا زنار کو باندھا اور در سمعان پہنچ گیا۔ وہ ان کی عید کا دن تھا۔ مختلف علاقوں کے راہب در سمعان کے بڑے راہب سے فیض حاصل کرنے اور ارشاد سننے کیلیئے حاضر ہو رہے تھے۔ میں بھی راہب کے لباس میں ان کی مجلس میں جا بیٹھا، جب بڑا راہب آکر ممبر پر خاموش بیٹھا تو سب خاموش ہو گئے۔ بڑے راہب نے جب بولنے کا ارادہ کیا۔ تو اس کا ممبر لرزنے لگا اور کچھ بول نہ سکا۔ گویا اس کا منہ کسی نے لگام سے باندھ رکھا ہے تو سب راہب اور علماء کہنے لگے اے مرشد ربانی کون سی چیز آپ کو گفتگو سے مانع ہے۔ ہم آپ کے ارشادات سے ہدایت پاتے ہیں اور آپ کے علم کی قدر کرتے ہیں۔ بڑے راہب نے کہ میرے بولنے میں یہ امر مانع ہے کہ تم میں ایک محمدی شخص آبیٹھا ہے۔ وہ تمہارے دین کی آزمائشوں کیلیئے آیا ہے لیکن یہ اس کی زیادتی ہے۔ سب نے کہا کہ ہمیں وہ شخص دکھا دو۔ ہم فوراً اسے قتل کر ڈالیں گے۔ اس نے کہا کہ بغیر دلیل اور حجت کے اس کو قتل نہ کرو۔

میں امتحاناً اس سے علم الادیان کے چند مسائل پوچھتا ہوں اگر اس نے صحیح جواب دیے تو ہم اسے چھوڑ دیں گے۔ ورنہ قتل کر دیں گے۔ کیونکہ امتحان مرد کی عزت ہوئی ہے یا رسوائی یا ذلت

سب نے کہا کہ آپ جس طرح چاہیں کریں ہم آپ کے خوشہ چیں ہیں تو وہ بڑا راہب ممبر پر کھڑا ہو کر پکارنے لگا۔اے محمدی تجھے محمد ﷺ کھڑا ہو جا کہ سب لوگ تجھے دیکھ سکیں یا بایزید کھڑے ہو گئے۔اس وقت آپ کی زبان پر رب تعالی کی تقدس اور تمجید کی کے قلمات جاری تھے۔اس بڑے پادری نے کہا اے محمدی میں تجھ سے چند مسائل پوچھتا ہوں۔اگر تو نے پوری وضاحت سے ان سب سوالوں کا جواب باصواب دیا تو ہم تیری اتباع کریں گے ورنہ تجھے قتل کر دیں گے۔تو بایزید نے فرمایا کہ تو معقول یا منقول جو چیز پوچھنا چاہتا ہے پوچھ۔اللہ تعالی تمہارے اور ہمارے درمیان گواہ ہے۔

تو پادری نے کہا وہ ایک بتاؤ جس کا دوسرا نہ ہو اور وہ دوسرا بتاؤ جس کا تیسرا نہ ہو اور وہ تین جن کا چوتھا نہ ہو اور وہ چار جن کا پانچواں نہ ہو اور وہ پانچ جن کا چھٹا نہ ہو اور وہ چھ جن کا ساتواں نہ ہو اور وہ سات جن کا آٹھواں نہ ہو اور وہ نو جن کا دسواں نہ ہو اور وہ دس جن کا گیارہواں نہ ہو اور بارہ جن کا تیرانہ ہو

اور وہ قوم بتاؤ جو جھوٹی ہو اور بہشت میں جائے اور وہ قوم بتاؤ جو سچی ہو اور دوزخ میں جائے اور بتاؤ تمہارے جسم سے کونسی جگہ تمہارے نام کی قرارگاہ ہے اور الذاریات ذروا کیا ہے اور الحمات وقرا کیا ہے اور الجاریات یسرا کیا ہے اور المسقات امرا کیا ہے اور وہ کیا ہے جو بے جان ہو اور سانس لے۔

> **خود کو ایسا ہی ظاہر کرو جیسے تم ہو**
> **یا ویسے بن جاؤ جیسا خود کو ظاہر کرتے ہو**
> **(حضرت بایزید بسطامیؒ)**

اور ہم تجھ سے وہ چودہ پوچھتے ہیں جنہوں نے رب العالمین کے ساتھ گفتگو کی اور وہ قبر پوچھتے ہیں جو مقبور کو لے کر چلی ہو اور وہ پانی جو نہ آسمان سے نازل ہوا ہو اور نہ زمین سے نکلا ہو اور وہ چار جو نہ باپ کی پشت اور نہ شکم سے پیدا ہنے مادر اور پہلا خون جو زمین پر بہایا گیا اور وہ چیز پوچھتے ہیں جس کو اللہ تعالی نے پیدا فرمایا ہو اور پھر خود پوچھا ہو یہ کیا ہے۔؟اور وہ کون سی عورتیں ہیں جو دنیاء بھر کی عورتوں سے افضل ہیں اور کون سے دریا دنیاء بھر کے دریاؤں سے افضل ہیں اور کون سے پہاڑ دنیاء بھر کے پہاڑوں سے افضل ہیں اور کون سے جانور سب جانوروں سے افضل ہیں اور کون سے مہینے افضل ہیں اور کون سی راتیں افضل ہیں اور طائمہ کیا ہے

اور وہ درخت بتاؤ جس کی بارہ ٹہنیاں ہیں اور ہر ٹہنی پر تیس پتے ہیں اور ہر پتے پر پانچ پھول ہیں۔دو پھول دھوپ میں اور تین پھول سایہ میں ہیں اور وہ چیز بتاؤ جس نے بیت اللہ کا حج اور طواف کیا ہو نہ اس میں جان ہو اور نہ اس پر حج فرض ہو اور کتنے نبی اللہ تعالی نے پیدا فرمائے اور ان میں سے کتنے رسول اور غیر رسول کتنے اور وہ چار چیزیں بتاؤ جن کا مزہ اور رنگ اپنا اپنا ہو اور سب کی جڑ ایک ہو اور نقیر کیا ہے اور قطمیر کیا ہے اور فتیل کیا ہے اور سبد ولید کیا ہے، طم ورم کیا ہے اور ہمیں بتاؤ کہ کتا بھونکتے وقت کیا کہتا ہے۔اور گدھا ہینگتے وقت کیا کہتا ہے۔اور بیل کیا کہتا ہے اور گھوڑا کیا کہتا ہے۔اور اونٹ کیا کہتا ہے اور مور کیا کہتا ہے اور بلبل کیا کہتا ہے۔اور مینڈک کیا کہتا ہے۔جب ناقوس بجتا ہے تو کیا کہتا ہے اور وہ قوم بتاؤ جن پر اللہ تعالی نے وحی بھیجی ہو اور نہ انسان ہوں اور نہ جن اور نہ فرشتے۔اور یہ بتاؤ جب دن ہوتا ہے تو رات کہاں چلی جاتی ہے اور جب رات ہوتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے۔تو حضرت بایزید بسطامی نے فرمایا کہ کوئی اور سوال ہو تو بتاؤ۔وہ پادری بولا کہ اور کوئی سوال نہیں۔آپ نے فرمایا کہ اگر میں ان سب

جن لوگوں نے راز دریافت کیا، انہوں نے ہی راز چھپایا۔

سوالوں کا شافی جواب دے دوں تو تم اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ایمان لاو گے؟ سب نے کہا ہاں، پھر آپ نے کہا کہ اے اللہ! تو ان کی اس بات کا گواہ ہے۔

پھر فرمایا کہ تمہارا سوال کہ ایک ایسا بتاو جس کا دوسرا نہ ہو وہ اللہ تعالی واحد قہار ہے اور وہ دو جن کا تیسرا نہ ہو وہ رات اور دن ہیں لقولہ تعالی (سورۃ بنی اسرائیل ۲۱) اور وہ تین جن کا چوتھا نہ ہو وہ عرش اور کرسی اور قلم ہیں اور وہ چار بڑی آسمانی کتابیں تورات، زبور، انجیل اور قرآن مقدس ہیں اور وہ پانچ جن کا چھٹا نہ ہو وہ پانچ فرض نمازیں ہیں اور وہ چھ جن کا ساتواں نہ ہو وہ چھ دن ہیں۔ جن میں اللہ تعالی نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ لقولہ تعالی (سورۃ قاف ۸۳) اور وہ سات جن کا آٹھواں نہ ہو وہ سات آسمان ہیں لقولہ تعالی (سورۃ ملک آیت ۳) اور وہ آٹھ جن کا نواں نہ ہو وہ عرش بریں کو اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں لقولہ تعالی (سورۃ حاقہ آیت ۱۷) اور وہ جن کا دسواں نہ ہو وہ بنی اسرائیل کے نو فسادی شخص تھے۔ لقولہ تعالی (سورۃ نمل آیت ۸۲) اور وہ دس جن کا گیارھواں نہ ہو وہ متمتع پر دس روزے فرض ہیں جب اس کو قربانی کی طاقت نہ ہو لقولہ تعالی (سورۃ بقرہ آیت ۹۱) اور وہ گیارہ جن کا بارھواں نہ ہو وہ یوسفؑ کے بھائی ہیں۔ گیارہ ہیں، ان کا بارھواں بھائی نہیں لقولہ تعالی (سورۃ یوسف آیت ۲) اور وہ بارہ جن کا تیراھوں نہ ہو وہ مہینوں کی گنتی ہے لقولہ تعالی (سورۃ توبہ آیت ۲۳) اور وہ تیرہ جن کا چودھواں نہ ہو وہ یوسفؑ کا خواب ہے لقولہ تعالی (سورۃ یوسف آیت ۲) اور وہ جھوٹی قوم جو بہشت میں جائے گی وہ یوسفؑ کے بھائی ہیں کہ اللہ تعالی نے انکی خطاء معاف کر دی اللہ تعالی (سورۃ یوسفؑ آیت ۸۱) اور وہ سچی قوم جو دوزخ میں جائے گی وہ یہود و نصاری کی قوم ہے اللہ تعالی (سورۃ البقرۃ آیت ۳۱۱) تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کے دین کو لاشی بتانے میں سچا ہے۔ لیکن دونوں دوزخ میں جائیں گے اور تم نے جو سوال کیا ہے کہ تیرا نام تیرے جسم میں کہاں رہتا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ میرے کام میرے نام کے رہنے کی جگہ ہے اور الزّاریات ذُرواچار ہوائیں ہیں، مشرقی، غربی، جنوبی، شمالی اور الحاملات وقرا بادل ہیں۔ لقولہ تعالیٰ (سورۃ البقرۃ ۲۶۱) اور الجاریات یسراً سمندر مین چلنے والی کشتیاں ہیں اور المقسمات امراوہ فرشتے ہیں جو پندرہ شعبان سے دوسرے پندرہ شعبان تک لوگوں کا رزق تقسیم کرتے ہیں اور وہ چودہ جنہوں نے رب تعالی کے ساتھ گفتگو کی وہ سات آسمان اور سات زمینیں ہیں لقولہ تعالی (سورۃ حٰم السجدہ آیت ۱۱)

اور وہ قبر جو مقتور کو لے کر چلی ہو وہ یونس علیہ وسلام کو نگلنے والی مچھلی ہے۔

اور بغیر روح کے سانس لینے والی چیز صبح ہے لقولہ تعالی اور وہ پانی جو نہ آسمان سے اترا ہو اور نہ زمین سے نکلا ہو وہ پانی ہے جو گھوڑوں سے پسینہ بلقیس نے آزمائش کیلئے حضرت سلیمان علیہ وسلام کے پاس بھیجا تھا اور وہ چار جو کسی باپ کی پشت سے ہیں اور نہ شکم مادر سے وہ اسماعیل علیہ سلام کی بجائے ذبح ہونے والا دنبہ اور صالح علیہ سلام کی اونٹنی اور آدم علیہ سلام اور حضرت حوا ہیں۔ اور پہلا خون ناحق جو زمین پر بہایا گیا وہ آدم علیہ سلام کے بیٹے ہابیل کا خون ہے جسے بھائی قابیل نے قتل کیا تھا اور وہ چیز جو اللہ تعالی نے پیدا فرمائی پھر اسے خرید لیا وہ مومن کی جان ہے لقولہ تعالی (سورۃ توبہ آیت ۱۱۱) اور وہ چیز جو اللہ تعالی نے پیدا فرمائی پھر اسے ناپسند فرمایا وہ گدھے کی آواز ہے لقولہ تعالی (سورۃ لقمان آیت ۹۱) اور وہ چیز جو اللہ تعالی

نے پیدا فرمائی ہو پھر پوچھا ہو کہ یہ کیا ہے وہ موسیٰ علیہ سلام کا عصا ہے لقولہ تعالیٰ (سورۃ طحہٰ آیت ۸۱) اور یہ سوال کہ کون سی عورت دنیاء بھر کی عورتوں سے افضل ہیں وہ ام البشر حضرت حوا اور حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ اور حضرت آسیہ اور حضرت مریمؑ ہیں۔

باقی رہا افضل دریاء وہ سیحون، جیحون، دجلہ، فرات اور نیل مصر ہیں۔ اور سب پہاڑوں سے افضل کوہ طور ہے اور سب جانوروں سے افضل گھوڑا ہے اور سب مہینوں سے افضل مہینہ رمضان لقولہ تعالیٰ (سورۃ قدر، آیت ۳) اور تم نے پوچھا کہ طامہ کیا ہے، وہ قیامت کا دن ہے اور ایسا درخت جس کی بارہ ٹہنیاں ہیں اور ہر ٹہنی کے تیس پتے ہیں اور ہر پتہ پر پانچ پھول ہیں۔ جن میں سے دو پھول دھوپ میں ہیں اور تین سایہ میں تو درخت سال ہے، بارہ ٹہنیاں اس کے بارہ ماہ ہیں اور تیس پتے ہر ماہ کے دن ہیں اور ہر پتے پر پانچ پھول ہر روز کی پانچ نمازیں ہیں۔ دو نمازیں ظہر اور عصر آفتاب کی روشنی میں پڑھی جاتی ہیں اور باقی تین نمازیں اندھیرے میں اور وہ چیز جو بے جان ہو اور حج اس پر فرض نہ ہو پھر اس نے حج کیا ہو اور بیت اللہ کا طواف کیا ہو وہ نوح علیہ سلام کی کشتی ہے۔

تم نے نبیوں کی تعداد پوچھی ہے، پھر رسول اور غیر رسول کی تو کل نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ ان میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں اور باقی غیر رسول۔ تم نے وہ چار چیزیں پوچھی ہیں جن کا رنگ اور ذائقہ مختلف ہے حالانکہ جڑ ایک ہے۔ وہ آنکھیں، ناک، منہ اور کان ہیں کہ مغز سر ان سب کی جڑ ہے۔ آنکھوں کا پانی نمکین ہے اور منہ کا پانی میٹھا ہے اور ناک کا پانی ترش ہے اور کانوں کا پانی کڑوا ہے۔ تم نے نقیر (سورۃ نساء آیت ۲۲۱)، قطمر (سورۃ فاطر آیت ۳۱)، فتیل (بنی اسرائیل آیت ۱۸)

سب ولید، طم ورم کے معانی دریافت کیئے ہیں۔ کھجور کی گٹھلی کی پشت پر جو نقطہ ہوتا ہے اس کو نقیر کہتے ہیں اور گٹھلی پر جو باریک چھلکہ ہوتا ہے اس کو قطمیر کہتے ہیں اور گٹھلی کے اندر جو سفیدی ہوتی ہے اسے فتیل کہتے ہیں۔ سبد ولید بھیڑ بکری کے بالوں کو کہا جاتا ہے۔

حضرت آدم علیہ سلام کی آفرینش سے پہلے مخلوقات کو طم ورم کہا جاتا ہے

اور گدھا ہینگتے وقت شیطان کو دیکھ رہا ہوتا ہے اور کہتا ہے لعن اللہ الغشار

اور کتا بھونکتے ہوئے کہتا ہے کہ ویل للاھل النار من غضب الجبار

اور بیل کہتا ہے سبحان اللہ و بحمدہ

اور گھوڑا کہتا ہے سبحان حافظی اذا التقت اللبطال و داشغلت الرجال بالرجال

اور اونٹ کہتا حسبی اللہ و کفی باللہ وکیلا

اور مور کہتا ہے الرحمٰن علی العرش استوی

اور بلبل کہتا ہے سبحان اللہ

اور مینڈک اپنی تسبیح میں کہتا ہے سبحان اللہ

اور ناقوس جب بجتا ہے تو کہتا ہے سبحان اللہ

اورتم نے وہ قوم پوچھی جن پر وحی آئی حالانکہ وہ نہ انسان ہیں نہ فرشتے ، نہ جن ، وہ شہد کی مکھیاں ہیں لولہ تعالی (سورۃ نحل آیت ۸۲)

تم نے پوچھا کہ جب رات ہوتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے اور جب دن ہوتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ جب دن ہوتا ہے تو رات اللہ تعالی کے غامض علم میں چلی جاتی ہے اور جب رات ہوتی ہے تو دن اللہ تعالی کے غامض علم میں چلا جاتا ہے۔اللہ تعالی کا وہ غامض علم کہ جہاں کسی مقرب نبی یا فرشتہ کی رسائی نہیں ہوتی

پھر آپ نے فرمایا کہ

تمہارا کوئی ایسا سوال رہ گیا ہے جس کو جواب نہ دیا گیا۔انہوں نے کہا نہیں۔سب سوالوں کے جواب دیئے ہیں تو آپ نے اس بڑے پادری سے فرمایا کہ

میں تم سے صرف ایک بات پوچھتا ہوں اس کا جواب دو وہ یہ کہ آسمانوں کی کنجی اور بہشت کی کنجی کون سی چیز ہے۔تو وہ پادری سر بگریبان ہو کر خاموش ہو گیا۔تو سب پادری اس سے کہنے لگے کہ اس شیخ نے تمہارے اس قدر سوالوں کے جواب دیئے لیکن آپ اس کے ایک سوال کا جواب بھی نہیں دے سکتے وہ بولا کہ جواب مجھے آتا ہے اگر میں جواب بتا دوں تو تم میری موافقت نہیں کرو گے سب نے بیک زبان کہا کہ آپ ہمارے پیشوا ہیں۔ہم ہر حالت میں آپکی موافقت کریں گے۔

تو بڑے پادری نے کہا۔۔۔۔آسمانوں کی کنجی اورر بہشت کی کنجی لا الہ اللہ محمد الرسول اللہ ہے تو سب کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور اپنے اپنے زنار وہیں توڑ ڈالے۔غیب سے ندا آئی اے بایزید ہم نے تجھے ایک زنار پہننے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ ان کے پاس پانچ سو زنار تڑواوں۔واللہ الحمد

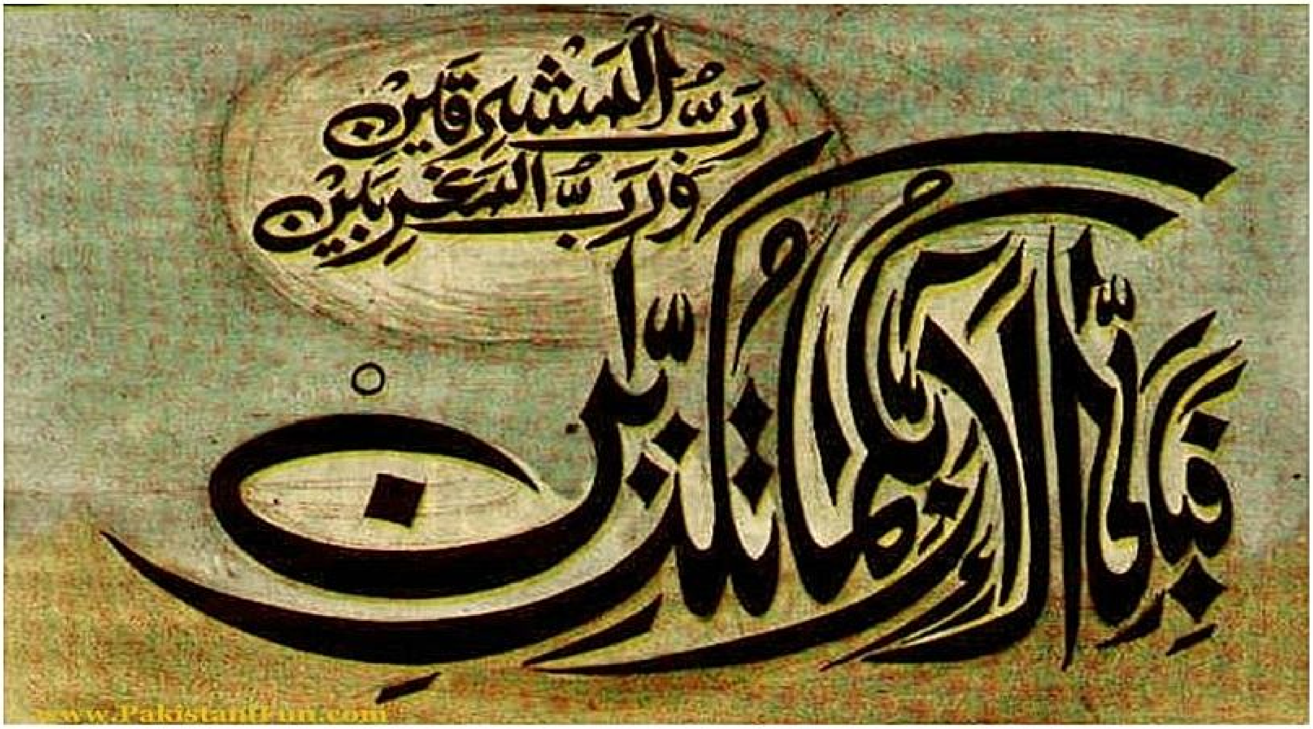

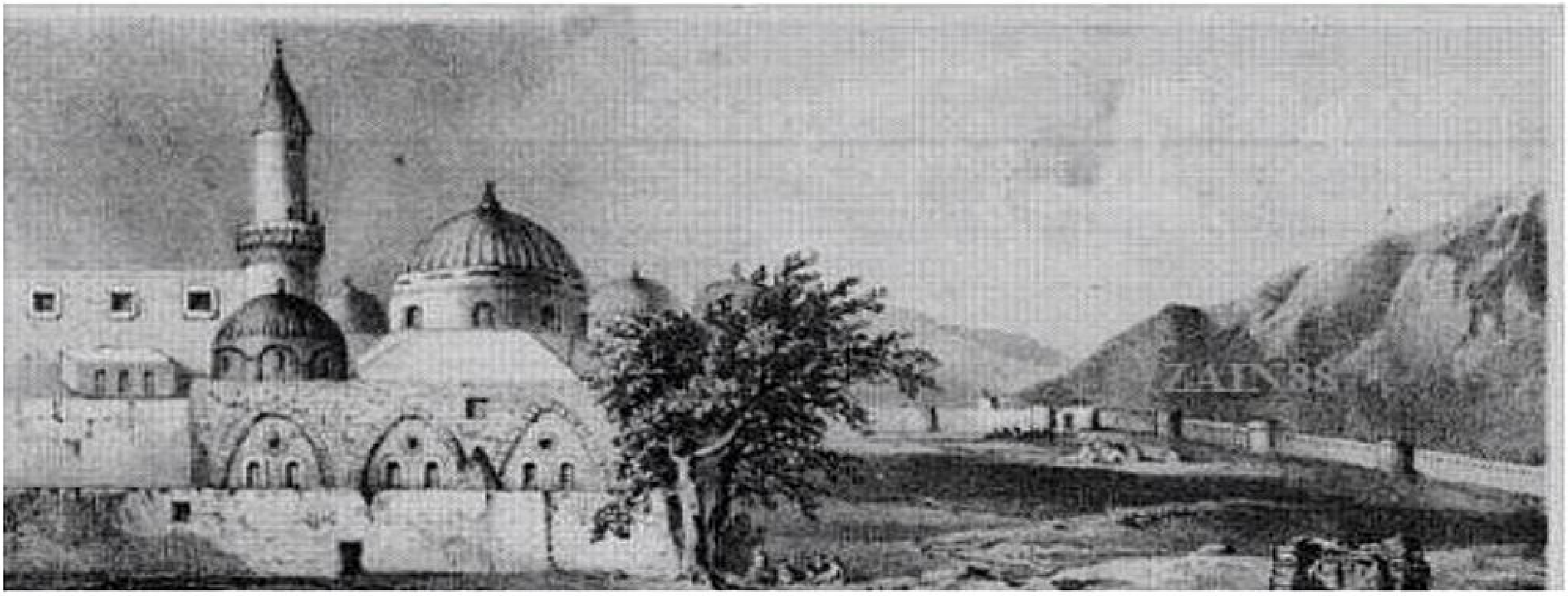

شاہِ عرب صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و خصائل

سونیا فاروق
ایل ایل بی (2014-2017)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک تمام اخلاق و خصائل اور صفحاتِ جمال میں اعلیٰ اور اشرف ہے۔ اِن تمام کمالات کا احاطہ کرنا انسانی قدرت اور طاقت سے باہر ہے۔ کیونکہ وہ تمام کمالات جنکا عالم امکان میں تصور ممکن ہے، سب کے سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں۔ انسانوں میں کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معلم نہ تھا۔ اِس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے علوم عطا کیے گئے جو اللہ تعالی نے تمام کائنات میں کسی کو نہیں دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کائنات کے خزانوں کی کنجیاں پیش کی گئیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی مال و دولت کی بجائے ہمیشہ آخرت کو ترجیح دی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ حسین، بہادر اور فیاض تھے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں میں سب سے اشرف تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں سب سے زیادہ اعتدال تھا، اور جس میں یہ اوصاف ہوں تو اس کا ہر فعل بہترین افعال کا نمونہ ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو خوبصورت نہیں دیکھا۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسارِ مبارک میں سورج تیر رہا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے تھے تو دیواروں پر اس کی چمک پڑتی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کوئی عنبر، کوئی مشک اور کوئی خوشبودار چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک سے زیادہ خوشبودار ہرگز نہیں دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے مصافحہ فرماتے تو تمام دِن اُس شخص سے خوشبو آتی رہتی۔ اور جب کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو وہ خوشبو کے سبب دوسرے لڑکوں میں پہچانا جاتا۔

اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر، بُردباری اور درگزر کرنے کی صفات نبوت کی عظیم ترین صفات میں سے ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ کے رستے میں اتنا ڈرایا، دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا۔ اللہ کے رستے میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور اتنا نہیں ستایا گیا۔ ایک دفعہ تیس رات دِن مجھ پر اِس حال میں گزرے کہ میرے اور بلال رضی اللہ تعالی عنہ کے لیے کھانے کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے۔ سوائے اس کے جو بلال رضی اللہ تعالی عنہ نے بغل میں چھپا رکھا تھا۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے۔ کوئی بھی آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا کہ خود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے اور عطاؤں میں بادشاہوں کو شرمندہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر پیش کی۔ سخت ضرورت کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر پہنی۔ اسی وقت ایک شخص نے مانگ لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر اُس کو عطا فرمادی۔

ایک دِن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھ اشرفیاں تھیں۔ چار تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرچ کردیں اور دو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچ گئیں۔ اِن کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کو نیند نہ آئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کیا معمولی بات ہے صبح اِنہیں خیرات کردیجیے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اے حمیرہ (حضرت عائشہ کا لقب ہے) کیا خبر میں صبح تک زندہ رہوں یا نہیں۔

ہم اگر سیرتِ رسول ﷺ کا وسیع مطالعہ کریں تو صرف یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کی قناعت، انکساری، امانتداری، نرمی اور شفقت، صبر وایثار، زہد وتقوی کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جو ہمارے لیے نہ صرف دنیا بلکہ آخرت سنوارنے کا کامل ذریعہ ہے۔ اللہ تعالی ہم سب کو بحیثیتِ رسول ﷺ کے امتی، آپ ﷺ کے اخلاق وافعال کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حدیث قدسی ﷺ

” اے ابن آدم ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے۔ پر ہوگا وہی جو میری چاہت ہے۔ اگر تو نے سپرد کردیا اپنے آپ کو اس کے جو میری چاہت ہے تو میں بخش دوں گا تجھے وہ بھی جو تیری چاہت ہے۔ پر اگر تو نے روگردانی کی اس سے جو میری چاہت ہے تو میں تھکا دوں گا اس میں جو تیری چاہت ہے۔ پھر ہوگا وہی جو میری چاہت ہے۔ “

جو کرتا ہے اللہ کرتا ہے، اللہ جو کرتا ہے صحیح کرتا ہے۔

برِصغیر پاک و ہند کی آزادی

میاں اسماعیل شمیم
پرنسپل پریمئر لاء کالج

برِصغیر پاک و ہند میں آزادی کی تحریک تقریباً بہتر (72) سالوں پر محیط ہے۔ کانگریس ابتدا سے ہی مغربی جمہوریت کی اصلی روح سے اپنی تعلیمی برتری کی بنا پر بخوبی آگاہ ہو چکی تھی۔ یعنی ایک جمہوری نظام میں وہ اکثریت اور اقلیت کے تنظیمی عمل سے بھی آشنا تھی۔ بلکہ اِس عمل کے ثمرات کے حصول کے لیے متحرک اور متحد بھی تھی اور کانگریس پر ہندو کا غلبہ ابتدا سے ہی موجود رہا۔

تحریکِ آزادی کے پس منظر میں یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ کانگریس کا نیشنلزم کا نعرہ محض ایک ڈھونگ اور فریب تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس ڈھونگ فریب کے پیچھے چھپا ہوا "ہندو سامراج" کے حصول کے لیے ایک عزم تھا۔ ایک گھناؤنا منصوبہ تھا، جس کو پایہ تکمیل تک پہنچانا کانگریس کا بنیادی مقصد تھا۔ کانگریس کے علاوہ ہندو مہا سبھا راشٹریہ سیوک سنگھ اور دیگر ہندو وسیاسی سماجی تنظیمیں اس مشن کی تکمیل کے لیے نہ صرف متحد تھیں بلکہ ذہنی اتحاد کے ساتھ اندرونی طور پر کانگریس کی ہمنوا تھیں اور سرگرمِ عمل تھیں۔ اِن بہتر سالوں پر محیط تاریخ شاہد ہے کہ کانگریس نے ہندو کاز (cause) کے لیے نہ صرف اپنی پوری توانائیاں صرف کیں بلکہ ہر قسم کی مکاری اور دھوکہ فریب سے بھی گریز نہیں کیا۔ خواہ وہ تقسیمِ بنگال ہو یا خلافت موومنٹ یا نہرو رپورٹ۔ ہر موقع پر ہندو کا گھناؤنا چہرہ ننگا ہوا۔ آزادی سے ایک سال قبل کانگریس پر سردار پٹیل اور پنڈت جواہر لعل نہرو کو مکمل کنٹرول حاصل تھا۔ خاص طور پر سردار پٹیل بطورِ ہوم منسٹر اور کانگریسی لیڈر ہندوؤں کے صفِ اوّل کے لیڈر رہتے تھے۔ اور آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے پنڈت نہرو کے انتہائی قریبی اور گہرے تعلقات تھے۔ اِن تینوں قائدین کی ملی بھگت اور شرمناک سازش کے ذریعے آخری وار 3 جون 1947 کو آزادی کے چارٹر کی شکل میں ہوا۔ جو محض رب العزت کی رحمت اور قائدِ اعظم کی سیاسی بصیرت اور معاملہ فہمی کی بنا پر ناکام ہو گیا۔

3 جون 1947 کو آزادی کا چارٹر ملا۔ انتہائی پر مسرت دن تھا۔ پاکستان ایک آزاد مملکت کے طور پر دنیا کے نقشہ پر ابھرا۔ پاکستانی قوم اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے سبب سرخرو ہوئی۔ لیکن 3 جون 1947 کے چارٹر کا پس منظر اتنا بھیانک اور شرمناک ہے کہ سوچ

کر بھی گھن آتی ہے۔ ایک ہی پہلو اطمینان بخش ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کی رحمت ہمارے شاملِ حال تھی۔ اور اب تک ہے۔ ورنہ خاکم بدہن یہ مملکتِ خداداد کب کی پارہ پارہ ہو چکی ہوتی۔ خدا ہمیں نظریہء پاکستان عملی طور پر اپنانے کی سعادت فرمائے۔ آمین۔

3 جون 1947 کو ہمیں آزادی کا چارٹر ملا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ مارچ 1947 کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان میں وائسرائے کی حیثیت سے وارد ہوئے۔ اپنی آمد کے فوراً بعد انہوں نے ہندوستانی لیڈروں سے ملاقاتوں کا آغاز کر دیا۔ وہ مسلم لیگ اور کانگریس کے مابین سیاسی جھگڑے کا حل چاہتے تھے۔ کیبنٹ مشن پلین کو بنیاد بنا کر دونوں بڑی سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں سے انہوں نے بھرپور مزاکرات کیے۔ ایک دو ہفتوں میں ہی ماؤنٹ بیٹن کو احساس ہو گیا کہ محمد علی جناح (صدر مسلم لیگ) کے تشکیلِ پاکستان کے حق میں دلائل ٹھوس بھی ہیں اور ناقابلِ تردید بھی اور ان کو نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وائسرائے نے کانگریسی لیڈروں مسٹر گاندھی، سردار پٹیل اور پنڈت نہرو سے بھی ملاقاتیں جاری رکھیں۔ بالآخر وائسرائے نے اس تمام صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہوئے یہ جان لیا کہ تقسیمِ ملک ناگزیر ہے۔ اور ہندوستان کو دو آزاد مملکتوں میں تقسیم کرنا پڑے گا۔

> میں درست فیصلے کرنے پر یقین نہیں رکھتا
> مگر میں جب فیصلے کرتا ہوں تو انہیں درست ثابت کرتا ہوں
> قائداعظم محمد علی جناحؒ

موجودہ حالات کے پیشِ نظر وائسرائے نے اپریل 1947 کے آخری ہفتہ میں انگریز قائدین اور مشیران پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دے دی جس کا چیرمین لارڈ اسمے کو نامزد کر دیا گیا۔ یہ کمیٹی کلی طور پر انگریز ممبران پر مشتمل تھی۔ اس کمیٹی نے کافی غوروخوض کے بعد ایک اعلانِ آزادی (charter of independence) تیار کیا۔ اس کا نام ڈکی برڈ پلین (dicky bird plan) رکھا گیا۔ ڈکی برڈ منصوبہ کی نوک پلک سنوار کر وائسرائے کے ایما پر لارڈ اسمے کی زیرِ قیادت 2 مئی 1947 کو برٹش پارلیمنٹ کی منظوری کے لیے انگلستان بھجوایا دیا۔ برطانوی کابینہ نے کافی چھان پھٹک کے بعد کچھ ترامیم کر کے واپس بھجوا دیا۔

اِسی دوران 5 مئی 1947 کو ماؤنٹ بیٹن اپنے عملے سمیت شملہ میں چندروزہ قیام کے لیے آ گئے۔ وائسرائے کے عملے میں ریفارم کمشنر وی پی مینن بھی شامل تھے۔ اِس دوران وائسرائے کو ہندوستان کی تحریکِ آزادی کے موضوع پر وی پی مینن سے آزادانہ تبادلہ خیال کا موقع ملا۔ وی پی مینن نے وائسرائے کو بتایا کہ دسمبر 1946 میں سردار پٹیل کے ایماء پر تقسیمِ ملک کا منصوبہ اس نے تیار کیا تھا۔ سردار پٹیل نے چند ترامیم کے ساتھ پسند کیا تھا۔ جس میں دولتِ مشترکہ کی شق بھی شامل تھی۔ 8 مئی 1947 کو پنڈت نہرو کرشنا مینن کی معیت میں وائسرائے کے مہمان کے طور پر شملہ آ پہنچے۔ اس وقت تک کسی کو بھی یہ معلوم نہ تھا کہ برطانوی کابینہ ڈکی برڈ پلین (dicky bird plan) کی منظوری دے چکی ہے۔ یہ پہلی سکیم تھی جس کو باقاعدہ قانونی حیثیت حاصل ہوئی۔ اب اسے محض سیاسی جماعتوں نے قبول کرنا تھا۔

9 مئی 1947 کو حسبِ معمول وائسرائے ایگل لاج میں وائسرائے کے مشیران اور مہمان اکٹھے ہوئے اور مختلف قومی اور بین الاقوامی امور اور مسائل پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ اسی دوران وی پی مینن کی تقسیمِ ملک کی سکیم بھی زیرِ بحث آئی جس میں بھارت کا

دولتِ مشترکہ میں احساس موجود تھا۔ پنڈت نہرو اور کرشنا میمن نے بھی چند تحفظات کے ساتھ اس سکیم کو پسند کیا۔ وائسرائے نے بھی تمام زیرِ بحث امور پر مختلف دلائل کو پوری توجہ سے سنا۔ اگلے روز 10 مئی 1947 کو وائسرائے نے نہرو کو ڈنر پر بلایا۔ ڈنر کے بعد مشروبات سے لطف اندوز ہوتے ہوئے وائسرائے نے اچانک ڈکی برڈ پلین کا سر بمہر مسودہ (جو کہ وائسرائے کو لندن سے پہنچ چکا تھا) نہرو کو پڑھنے کے لیے اور رائے لینے کے لیے پیش کر دیا۔ (حالانکہ اسی دن دس مئی کو یہ خبر پریس کو بھجوا دی گئی تھی کہ منظور شدہ منصوبہ 1947 کو مسلم لیگ، کانگریس اور اکالی دل کو پیش کر دیا جائے گا)۔ وائسرائے کا یہ اقدام انتہائی شرمناک بد یانتی پر مبنی تھا۔ ڈکی برڈ پلین ایک سیکرٹ ڈاکومنٹ تھا جس کا امین وائسرائے خود تھا۔ اس نے تمام اخلاقی، قانونی حدود توڑ کر مسودہ نہرو کی ثائے لینے کے لیے اسے دے دیا۔ نہرو نے مسودہ پڑھنے کے بعد ناپسندیدگی کے ساتھ میز پر پھینک دیا اور کہا کہ کانگریس کو یہ ہرگز قبول نہیں ہے۔ یہ کہ کر کہ کل شام اسے دہلی واپس جانا ہے، ڈائننگ روم سے نکل گیا۔

انتہائی پریشانی کے عالم میں وائسرائے نے وہ رات گزاری۔ اگلے روز دوپہر کے وقت وائسرائے نے وی پی میمن کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ سردار پٹیل کا پسندیدہ چارٹر آف آزادی کا مسودہ شام چار بجے سے پہلےتیار ہونا ضروری ہے۔ وی پی میمن نے وائسرائے کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دوسرا چارٹر آف آزادی تیار کیا اور نہرو کے دہلی روانگی سے قبل یہ نیا مسودہ اس کو پڑھنے کے لیے وائسرائے نے دیا۔ نہرو نے چند ترامیم کر کے پسندیدگی کے ساتھ واپس کر دیا اور کرشنا میمن کی معیت میں دہلی واپس چلا گیا۔

ڈکی برڈ پلین کو سیاسی جماعتوں کو دکھائے پڑھائے بغیر انتہائی کمینگی کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا گیا۔ یہ دوسرا چارٹر آف آزادی جو وی پی میمن نے چار گھنٹے میں تیار کیا جس کو سردار پٹیل اور نہرو کی ذہنی مطابقت کے پس منظر میں تیار کیا گیا تھا، وائسرائے بذاتِ خود لندن لے کر گیا اور وزیرِ اعظم برطانیہ مسٹر اٹیلے سے لڑ جھگڑ کر منظور کروا لیا۔ یہ دوسرا مسوادہ تھا جو 3 جون 1947 کو برطانوی حکومت کے وائسرائے ہند نے سیاسی جماعتوں کے سامنے پیش کیا۔ پہلے اور اصلی مسودے کی کسی کو خبر تک نہ ملی۔ دوسرا مسودہ جو جعلی تھا جو پٹیل اور پنڈت نہرو کی معاونت سے تیار ہوا تھا، جو سیاسی، اخلاقی بد یانتی کا شرمناک ثبوت کا حامل تھا، وہ مسودہ 3 جون 1947 کو آزادی کے چارٹر کے نام سے نشر ہوا۔ اس کے بارے میں قائدِ اعظم محمد علی جناح، پنڈت نہرو اور سردار بلدیو سنگھ نے اپنے تاثرات آل انڈیا ریڈیو سے پیش کیے۔ اور اسی چارٹر کے مطابق آزادی کے نفاذ کے لیے عمل درآمد ہوا۔

ہندو انگریز گٹھ جوڑ کا وطنِ پاک کی آزادی کے سلسلہ میں پہلا ہوشربا وار تھا جو سوادِ اعظم نے قائدِ اعظم کی قیادت میں انتہائی صبر و تحمل سے برداشت کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اعانت ہمارے ساتھ تھی اور وطنِ عزیز پاکستان اللہ کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ یہی سوادِ اعظم کا نصب العین تھا۔ 1947 میں میری عمر ستائس سال تھی اور میں اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں قیام پذیر تھا۔ میرے ساتھی قاسم رضوی مرحوم، آفتاب قریشی، افتخار، شبیر اور دیگر بہت سے بے لوث دوست کارکن (اصلی ہیرے موتی) اپنے مشن کی کامیابی کے لیے سنجیدگی کے ساتھ سگرمِ عمل تھے۔ ہمیں شروع سے ہی محترمی حمید نظامی، مالانا عبدالستار خان مرحوم، ظہور عالم شہید مرحوم کی اعانت اور معاونت حاصل تھی۔ اور ہم سب کا ایک ہی نعرہ تھا۔ پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

ظلم ہوتا دیکھ کر خاموش رہنا ظلم سے بھی زیادہ ظلم ہے۔

آرکائیو

میڈم طیبہ اکرم
(لائبریرین)

آرکائیو سے مراد وہ کاغذات اور سرکاری ریکارڈز ہیں جو حکومت کے انتظامی معاملات سے متعلق ہوں، اور ان پر ہر طرح کی کاروائی کی جا چکی ہو۔ان کاغذات کو آئندہ پالیسی کاروائی یا عدالتی کاروائی کے لیے استعمال کیا جا سکے۔

Sir Villary Jenkinsen نے کہا ہے کہ آرکائیو ایسی دستاویزات ہیں جو کے باہمی معاملات کے ذریعے تشکیل پاتی ہیں۔اور انہیں قدرتی طریقہء کار کے ذریعے اکٹھا کیا جاتا ہے، جو عوامی بھی ہو سکتے ہیں اور ذاتی بھی۔ان کا کسی بھی دور سے تعلق ہو سکتا ہے۔ان کو حوالے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔جو بھی شخص ان معاملات کا ذمہ دار ہوتا ہے، وہ اسے محفوظ رکھتا ہے۔جو ادارے ان کو ڈیل کرتے ہیں، ان کو بھی آرکائیوز کہتے ہیں۔اس کی تین اقسام ہیں۔

1۔ گورنمنٹ آرکائیو

2۔ پرائیویٹ آرکائیو

3۔ کمرشل آرکائیو

جو صوبائی یا وفاقی حکومتیں فیصلہ کرتی ہیں اور نوٹیفیکیشن جاری کرتی ہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ بھی آرکائیوز کا حصہ بن جاتے ہیں اور لوگ اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ذاتی ریکارڈز مثلاً کچھ لوگ بہت زیادہ پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔اِن کا ذخیرہ کُتب۔یا وہ لوگ جو زندگی میں کچھ ایسا کر جائیں کہ وہ رہتی دنیا تک اچھے لفظوں میں یاد کیا جائے تو اس کی چیزیں مثلاً برتن، لباس، عمارت اور ڈائری بھی آرکائیو کا حصہ بن جاتی ہیں۔عجائب خانوں میں اور آرکائیوز میں فرق ہوتا ہے۔عجائب خانوں میں ہر شخص ان چیزوں کو دیکھ کر لطف اندوز ہو سکتا ہے مگر آرکائیوز میں قیمتی دستاویزات و چیزوں کو خاص لوگ اہم اصولوں کو مدِ نظر رکھ کر استعمال کرتے ہیں۔

ہم اپنی غلطی کے لیے بہترین وکیل اور دوسروں کی غلطی کے لیے بہترین جج ہیں۔

تصویری مخطوطات، پرانی قوموں کی تصویریں، برتن، ادیبوں کے خطوط جیسا کہ علامہ اقبال کے خطوط، غالب کے خطوط، جناح پیپرز اور الواح، پرانے مخصوص کتب خانے جیسا کے ہمایوں کا کتب خانہ، اکبر کا کتب خانہ اور سلطان ٹیپو کتب خانہ آرکائیوز کا حصہ ہیں۔ ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریریں جو کہ پنجاب یونیورسٹی کے آرکائیوز میں کثیر مقدار میں موجود ہیں، سب آرکائیوز کا حصہ ہیں۔ یہ حکومت کی دلچسپی کی مرہونِ منت ہیں کہ آج کے دور میں بھی ہم ان قیمتی دستاویزات کو ان کی اصلی حالت میں دیکھ سکتے ہیں۔ کسی بھی قوم کے لیے اس کا ماضی اور ماضی کا اشیاءقیمتی اثاثہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے حکومت نے آرکائیوز بنائے تاکہ ان کو محفوظ کیا جاسکے اور نئی نسلیں اس سے مستفید ہوسکیں۔

پاکستان کے آرکائیوز کا نام national archices of pakistan ہے۔ اس کی حفاظت کے لیے قانون سازی کی گئی۔ اس کے دو قوانین ہیں۔ پہلے قانون کا نام ہے the material act 1975 جس کا مقصد آرکائیوز کی دوسرے ممالک کو غیر قانونی برآمد سے روکنا ہے۔ دوسرے قانون کا نام the national archive act 1993 ہے، جس کا مقصد لوگوں کو تاریخی ریکارڈز تک رسائی دینا ہے۔ (جو کہ نیشنل آرکائیوز آف پاکستان میں محفوظ ہیں)۔ اس میں یہ بھی طے پایا ہے کہ 20 سال کے عرصے کے بعد لوگوں کو آرکائیوز تک رسائی حاصل ہوگی۔ آرکائیوز کا انتظام ایڈوائزری بورڈ کرے گا جس کا چیرمین، ڈائریکٹر اور پندرہ اراکین ہوں گے، اور اس میں پارلیمنٹ کے اراکین بھی شامل ہوں گے۔

قومی اثاثے کے تحفظ کے لیے آرکائیوز بہترین کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان کی بدولت آج بہت سا قیمتی مواد ضائع ہونے سے بچ گیا۔ حکومت سے درخواست ہے کہ وہ آرکائیوز کی مزید نگہداشت اور بہتری اور شہرت کے لیے قانون سازی کرے۔ اور جس طرح اسلام آباد میں آرکائیوز کی سالانہ نمائش لگائی جاتی ہے باقی آرکائیوز بھی لگائیں۔ جن دستاویزات کی حالت خستہ ہے یا چھن جانے کا خدشہ ہے، ان کی مائکروفلمیں بنائی جائیں۔ اور آرکائیوز میں جو ان کے تحفظ اور دیکھ بھال کے لیے خدمات انجام دے رہے ہیں، ان کی حوصلہ افزائی کی جائے اور انعامات سے نوازا جائے۔

ناقص تعلیمی نظام۔!

راول وڑائچ
ایل ایل بی (2015-2018)

آج ہمارا معاشرہ جس راہ پر گامزن ہے، اِس کا اختتام انتہائی ذلت آمیز ہونے والا ہے۔ ہم نے اپنی روایات، دین و عقائد کو پسِ پُشت ڈال کر مغرب کی تقلید شروع کر دی ہے۔ معاشرہ بھی ایک عمارت کی مانند ہوتا ہے۔ جو رسم و رواج اور اقدار کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے، لیکن اگر یہی بنیادیں کھوکھلی ہو جائیں تو معاشرہ کیونکر بچا رہ سکتا ہے؟

اِنہیں روایات و رواج اور اقدار کی بنیادوں کو پامال ہونے سے بچانے کے لیے تعلیم اپنا انتہائی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مگر بدقسمتی سے ہمارا نظامِ تعلیم انتہائی خستہ حالی کا شکار ہے۔ ہمارے مُلک میں لُوٹ مار کا بازار گرم ہے۔ سیاسی انتشار، مہنگائی، ناقص تعلیمی نظام اور نہ جانے کون کون سی برائیاں ہمارے معاشرے میں سرایت کر چکی ہیں۔ آج دنیا میں اِنہیں قوموں کا نام ہے جنہوں نے علمی میدان میں کامیابی کے جھنڈے گاڑے۔

آج میں اپنے اِس مضمون کے ذریعے پاکستان کے طالب علموں کو پیش آنے والی مشکلات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آج ہمارے مُلک میں جو کُچھ پڑھایا جا رہا ہے وہ ہمارے معاشرے کے حالات و واقعات سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں غیر ملکی مصنفین کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جو کہ ہماری روایات و رواج سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ اور دُوسری بات یہ کہ وہ ہوتی بھی اِتنی مشکل اور قیمتی ہوتی ہیں کہ ایک عام مزدور کا بچہ اُنہیں خریدنے سے قاصر ہوتا ہے۔

میرا سوال ہمارے وزیرِ تعلیم سے ہے کہ کیا ہماری روایات و رواج اِس قابل نہیں کہ اِن کو اپنے نصاب میں شامل کر سکیں؟ کیا ہمارے ہیرو اِس قابل نہیں کہ اِن کے بارے میں اپنے مُلک کے مستقبل کو بتلایا جا سکے؟ کیا ہمارے مُلک میں ایسا ہُنر موجود نہیں ہے جس کے بارے میں ہم اپنے ملک کے مستقبل یعنی بچوں کو کُتب کے ذریعے بتا سکیں؟ اگر اِن سوالات کے جوابات مثبت ہیں تو اِن پہلوؤں پر غور کیوں نہیں کیا جاتا؟

بد علمی سے بے علمی بہتر ہے۔

دوسرا اہم مسئلہ Number Scoring کا ہے جو تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ اب ہر طالب علم کو صرف اچھے نمبروں سے پاس ہونا ہے اور اچھا گریڈ حاصل کرنا ہے۔ کیونکہ اِن سے ڈیمانڈ ہی اچھے نمبروں اور اچھی ڈویژن کی ہوتی ہے۔ اِس لئے طالب علم بغیر سمجھے کتابوں کو ''رٹا'' لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ اِن کو بتایا ہی نہیں جاتا کہ آخر اِن کو کیا پڑھایا جا رہا ہے۔ اِن کے ذہن میں صرف ڈگری حاصل کرنے کی لگن ہوتی ہے، کُچھ سیکھنے کی یا کچھ حاصل کرنے کی نہیں۔ لہذا ضرورت اِس امر کی ہے کہ number scoring کے concept کو ختم کیا جائے اور طالب علموں میں سیکھنے کی لگن کو پیدا کیا جائے۔

تیسرا اہم اور سنگین مسئلہ سالانہ امتحان منعقد کروانے والے اداروں میں نا اہل افراد کی تعیناتی کا ہے۔ بعض طالب علم ''رٹے'' سے گریز کرتے ہیں اور سبق کو مصنف یا اُستاد کے بیان کیے ہوئے طریقے کی بجائے اپنے ذہن کی صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہیں، اور اپنے ہی الفاظ سے پرچہ حل کرتے ہیں۔ جب پرچہ جات کی پڑتال کا مرحلہ آتا ہے، تو چیکر حضرات کتابیں سامنے رکھ کر لفظ بہ لفظ پڑتال کرتے ہیں۔

غیر معمولی صلاحیت کے طالب علم اپنے concept کے مطابق پرچہ حل کرتے ہیں اور اِن کے الفاظ کتابی الفاظ سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ ہمارے نا اہل چیکرز کو کیا پتہ کہ concept کس چڑیا کا نام ہے؟ وہ تو صرف لکیر کے فقیر ہوتے ہیں اور اچھے بھلے حل شدہ پرچے کو فیل شدہ بچوں کے پرچوں کے ڈھیر پر پھینک دیا جاتا ہے۔ اور بچہ کا مستقبل داؤ پر لگ جاتا ہے۔ اب یہ حکومتِ وقت پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اہل افراد کی تعیناتی کو یقینی بنائے۔

دُنیا میں مختلف جمہوری ممالک ہیں جہاں تعلیم مکمل طور پر مُفت فراہم کی جاتی ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ وظائف بھی دیے جاتے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے پاکستان میں سلسلہ بالکل اُلٹ ہے۔ گورنمنٹ سکول گھوسٹ سکولوں کا نقشہ پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ عمارتوں کی حالت انتہائی ناقص ہے۔ اگر نجی سکولوں کی بات کی جائے تو اِن کی فیسیں بہت زیادہ ہوتی ہیں جو غریب کی اولاد برداشت نہیں کر سکتی۔ اِس طرح شرح خواندگی پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔

اِس وقت پاکستان میں نظامِ تعلیم میں ترامیم وقت کی اہم ضرورت ہیں جن کی وجہ سے خواندگی میں اضافہ ہوگا اور لوگوں میں شعور بڑھے گا۔ اِنہی تعلیمی ترامیم سے بچوں کا، بلکہ پاکستان کا مستقبل بچایا جا سکتا ہے۔

جمہوری دہشت گردی!

عثمان علی
ایل ایل بی (2018-2015)

ِ آج وطنِ عزیز میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی عذاب سے کم نہیں ہے۔ شاید اُس ذات باری تعالی نے اپنی رحمت کی خاص چادر اِس عرضِ پاک سے ہٹالی ہے جس کی وجہ سے آفتوں نے اِس کی طرف رُخ کرلیا ہے۔ گزشتہ کچھ عرصے سے ملک دہشت گردی کی لپیٹ میں آ گیا ہے۔ 16/14 کے واقعہ کے بعد یوں لگتا ہے کہ ساری قوم، سیاسی وعسکری قیادت مل کر اس مردہ سانپ کو جو ہمارے گلے میں لٹکا ہوا ہے، اس کو اتار کر ہی دم لیں گے۔

اب سوال یہاں یہ اُٹھتا ہے کہ پاکستان کو کیا صرف بموں، گولیوں اور توپوں کی دہشت گردی کا سامنا ہے؟ اس سے پہلے میں آپ کے سامنے دہشت گردی کی تعریف رکھتا ہوں۔۔۔ (دہشت سے مُراد ڈر، خوف، ہیبت و وسوسہ ہے اور اِن چیزوں کو پھیلانا دہشت گردی ہے)۔ خیر سوال یہ ہے کہ کیا واقعی پاکستانیوں کو اس قسم کی دہشت گردی کا سامنا ہے؟ میرے نزدیک اس کا جواب نفی ہے۔ اس کے علاوہ بھی پاکستان کو ایک مختلف اور بڑی دہشت گردی کا سامنا ہے اور وہ ہماری سیاسی قیادت کی جمہوری دہشت گردی ہے۔

اِس کو سمجھنے کے لیے ایک سادہ سی مثال آپ کے گوش گزار کرتا ہوں کہ اگر کوئی مزدور آدمی شام کو خالی جیبوں کے ساتھ گھر جاتے ہوئے یہ سوچے کہ وہ اپنے صبح سے بھوکے بچوں کو کھانا کہاں سے کھلائے گا؟ اس کے دل میں خوف ہوگا کہ بچوں کا سامنا اپنی خالی جیبوں کے ساتھ کس طرح کرے گا؟ یہ خوف ہے جمہوری دہشت گردی کا۔ مائیں اپنے بچوں کو غربت، بھوک، افلاس کے خوف سے قتل کر رہی ہیں۔ یہ ہے جمہوری دہشت گردی۔

آج دنیا میں انسانی زندگی کو بچانے کے لیے سب سے زیادہ پیسہ خرچ کیا جا رہا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے پاکستان میں وہی پیسہ انسانوں کی جانیں داؤ پر لگا کر بچایا جا رہا ہے۔ انسان دوست ادویات میں اس قدر ملاوٹ کی جا رہی ہے کہ بیماری کا علاج تو دور کی

بات، دوسرا مرض بھی لاحق ہو جاتا ہے۔ دوا خریدتے وقت بھی عام آدمی کے دِل میں خوف، ڈر، وسوسہ ہوتا ہے۔ یہ ہے جمہوری دہشت گردی۔

امیر کی باندیاں تو ریشم کے انبار میں تلتی ہیں
غریب کی بیٹی کے تن کی عریانی ہی نہیں جاتی

نہ جانے ہمارا ملک کس طرف جا رہا ہے؟ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہمارے ملک کو نہ جانے کس سمت لے جایا جا رہا ہے۔ کس کے ہاتھ میں ہمارے ملک کی باگ دوڑ ہے؟ جو اس کو جہنم بنانے پر تلا ہوا ہے۔ ہمارا ملک سونے کی چڑیا کی طرح ہے۔ جو بھی صاحبِ اقتدار آتا ہے، لُوٹتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ اِس کی بلا سے عوام چاہے بھوکی مر جائے۔

پاکستان پر اس وقت مختلف بلاؤں کا سایہ ہے۔ اس عرضِ پاک کا صدقہ دینے کی ضرورت ہے اگر ہم اس ملک کو بچانا چاہتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ صدقہ کیسے اُتارا جائے؟ اس کے لیے جو جتنے بھی بے غیرت، بے حس، بے ضمیر اور بے حیا قسم کے لوگ صاحبِ اقتدار بنے بیٹھے اس ملک کی رگوں سے خون نچوڑ رہے ہیں، اِن کا احتساب کرنا ہوگا۔ اور پھر اِن کو اِس عرضِ پاک سے اٹھا کر باہر پھینک دینا ہوگا۔ تب ہی جا کر یہ ملک اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے۔

میرے عزیز ہم وطنو! دراصل اللہ باری تعالیٰ اس عرضِ پاک کو قائم و دائم رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر اِس میں اللہ تعالیٰ کی منشا نہ ہوتی تو یہ ناہنجار قسم کے لوگ کسی شکاری کتے کی طرح اس پاک سر زمین کو نوچ نوچ کر کھا چکے ہوتے۔

ایک سچی کہانی

صباء فردوس
بی اے (2016-2014)

محبت ہر کہانی کا مرکزی نقطہ ہوتا ہے خواہ وہ عورت اور مرد کی ہو، پیسے کی ہو، معاشرے کی ہو یا اصولوں سے ہو، محبت ہی کے گرد ساری کہانیاں گھوما کرتی ہیں۔ محبت ایسا جذبہ ہے جس کی بدولت انسان نے تحریری و زبانی ادب تخلیق کیا۔ دنیا کی کسی بھی زبان کے ادبی ورثہ کا مطالعہ کریں، محبت ہی غالب ہے۔ نفرت محبت کا تاریکی عکس ہے۔ دو لوگوں کو آپس میں جوڑنے کے لیے تین جذبے کارفرما ہوتے ہیں۔ محبت، نفرت اور غرض۔ اگر دیکھا جائے تو نفرت اور غرض محبت ہی کے اجزاء ہیں۔ یہ کہانی بھی محبت، نفرت اور غرض کے جذبوں کو بیان کرتی ہے۔ معمولی کہانیوں کی طرح اِس کے کردار بھی ایک جوان لڑکی اور جوان لڑکا ہیں۔ جنہیں تقدیر نے ایک درسگاہ میں ملایا۔ دونوں خاندانوں کے پس منظر میں نمایاں فرق تھا۔ اور جتنا فرق اِن کے خاندانوں میں تھا، اتنا اُن کے بیچ میں تھا۔ مگر یہاں سلسلہ اُلٹ جاتا ہے۔ کہانی کا ہیرو عمیر ایک کمزور اور معمولی خاندان کا فرد ہوتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں حسب نسب کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ اسی فرق کی وجہ سے اس کا خاندان تضحیک کا شکار رہتا ہے۔ عمیر کی ذات میں صرف یہی کمزوری تھی۔ باقی خدا نے اُسے بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ خوبرو اِتنا کہ دوبارہ نظر ڈالے بغیر کوئی رہ نہ پائے۔ ذہین اتنا کہ یوں لگتا کہ ذہانت کی دیوی اس کے گھر کی لونڈی ہو۔ اور خوش گفتار اتنا کہ لب کھولنے کو دیر ہوتی اور بڑے سے بڑا مجمع یک سُو ہو کر اُسے سننے لگتا۔

اِس کہانی کی ہیروئین سعدیہ سانولی سلونی مگر کسی حد تک پُرکشش، کم گو اور اوسط درجہ کی طالبہ تھی۔ مگر دلوں کے معاملات عجیب ہوتے ہیں۔ فہم و ادراک سے یکسر دُور، سعدیہ کو پتہ ہی نہ چلا اور نہ جانے کب عمیر دِل کی سلطنت کو مفتوح کر کیا آفس کے دل کے تخت پر آ بیٹھا۔ جس طرح مفتوح کو خبر نہیں ہوتی بالکل اسی طرح فاتح اس ساری صورتِ حال سے بے خبر تھا۔ اب مرحلہ یہ آن پڑا کہ کس طرح دل کی بات دوسری طرف پہنچائی جائے۔ وہ قانون کے طالب علم تھے مگر محبت کی گرفت میں ایسے آئے کہ کوئی وکیل بھی ضمانت یا رہائی نہیں کروا سکتا تھا۔

کہتے ہیں دِلوں کے معاملات کہاں تک چُھپتے ہیں۔ محبت کی آگ کی تپش دوسرے دِل تک نہ پہنچے، یہ ناممکن ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ جس طرح کی دیوانگی وہ عمیر کے متعلق رکھتی تھی، اِسی کیفیت میں انسان سے چاہتے نہ چاہتے عجیب وغریب حرکات سرزد ہو

جاتی ہیں۔عمیر نے ہر ممکن کوشش کی کہ اس سے دور رہے مگر کامیاب نہ ہوسکا۔سعدیہ کی دیوانگی عمیر پر بھی آشکارہ ہوگئی۔وہ یہاں پڑھنے آیا تھا اور عشق ومحبت کے چکروں میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔اِس کے علاوہ لڑکپن میں ایسی چوٹ کھا بیٹھا تھا کہ اب اُس کا اعتبار محبت کے مقدس جذبہ سے اُٹھ چکا تھا۔محبت کے جذبات اُس کے لیے بے معنی ہوچکے تھے۔مگر جب عورت شدت سے کسی مرد کو راغب کرنے کی کوشش کرنے کی کوشش کرتی ہے تو شاید کوئی وجہ ہو جو نہ بچے۔تاخیر سے ہی کیوں نہ، جال میں آ ضرور جاتا ہے۔

عمیر نے اُس کے خیالات اور جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے اُس پر خصوصی توجہ دینی شروع کردی۔ویسے بھی وہ ہر شخص کو خصوصی توجہ ہی دیتا تھا۔مگر یہاں کچھ زیادہ ہی توجہ دی اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔رفتہ رفتہ وہ بھی انہی راہوں کا مسافر ہوگیا۔تب تک وہ دونوں لاء گریجویشن کر چکے تھے۔اپنے والد کی خواہش کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے عمیر نے مقابلے کی تیاری شروع کردی۔دوسری طرف اوسط درجہ کی طالبہ ہونے کی وجہ سے سعدیہ نے مزید مقابلہ بازی سے گریز کیا اور ایک لاء فرم جوائن کر لی۔ پہلے محبت یک طرفہ تھی لیکن اب آگ برابر لگی ہوئی تھی۔

آہستہ آہستہ بات گھر والوں تک پہنچ گئی۔دونوں گھرانوں کا آنا جانا شروع ہوا تو وہی مقام آ گیا جو ہر کہانی میں ہوتا ہے۔ یعنی دونوں طرف سے ناپسندیدگی سامنے آ گئی۔عمیر نے لڑکا ہونے کا فائدہ اٹھایا اور بغاوت کردی۔اب وہ اس پوزیشن میں تھا کیونکہ csf کا امتحان پاس کر کے سول اکیڈمی جوائن کر چکا تھا۔دوسری طرف سعدیہ گھر والوں کو منانے کی کوشش کر رہی تھی۔ایک دِن کسی کلاس فیلو سے پتہ چلا کہ سعدیہ کی شادی پندرہ دِن بعد ہو رہی ہے،اسے اعتبار نہ آیا۔جب اس نے موبائل پر رابطہ کیا تو دوسری طرف سے اسی والہانہ محبت کا مظاہرہ ہوا جس نے خبر کے جھوٹے ہونے کی تصدیق کر دی۔مگر پھر حفظِ ماتقدم کے طور پر اس نے شادی کا پوچھ لیا۔یہ سوال کرنا ہی تھا کہ دوسری طرف خاموشی چھا گئی اور یکدم رابطہ ختم ہوگیا۔اس ساری صورتِ حال نے اسے پاگل کر دیا۔وہ بھاگم بھاگ سعدیہ کے چیمبر گیا تو وہ واپس اپنے گاؤں جا چکی تھی۔اس ساری صورتِ حال نے ایک دفعہ تو اُس کا دماغ ماؤف کر دیا۔دِل کو جب چین نہ ہو تو بندہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔وہی اس نے کیا۔وہ اس کے پیچھے گاؤں چلا گیا۔وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ رنگ ہی کوئی اور ہے۔پہلے تو وہ ملنے سے انکاری تھی۔مگر منت سماجت کے بعد جب آئی تو اس نے وہ کہا جس سے بہتر تھا کہ وہ نہ آتی۔اس نے کہا کہ حسب ونسب اور کردار کا عملی زندگی میں بہت زیادہ دخل ہے۔اسی بات سے اندازہ لگا لو کہ ایک معمولی لڑکی کے لیے تم نے اپنے والدین چھوڑ دیے۔اگر تم باکردار ہوتے تو یہ نہ کرتے اور ہاں جو آج میرے لیے والدین چھوڑ سکتا ہے کل کسی اور کے لیے مجھے بھی چھوڑ سکتا ہے۔اس سے پہلے کہ تم مجھے چھوڑو۔میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔

ہیومن رائٹس

سہیل عامر
ایل ایل بی (2016-2013)

رائٹ یعنی کہ حق یہ ہے کہ ایسی نامکمل چیز ہے جو کہ دوسروں نے پوری کرنا ہوتی ہے۔ انسان خود اپنا حق پورا نہیں کر سکتا ہے۔ اور اسی حق کو پورا کرنے کیلئے جس چیز کا استعمال کیا جاتا ہے وہ فرض ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کا لباس ہیں جہاں بر حق ہوگا اسی حق کا فرض بھی کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہوگا۔ جہاں حق پیدا ہو جائے وہاں فرض بھی خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک ہی شخص کے پاس ایک ہی حق کا فرض موجود نہیں ہوتا۔ جو میرے پاس حق ہے اس کا فرض کسی دوسرے شخص کے پاس ہے۔ جب میں اپنا فرض اس شخص کو لوٹا دوں گا اور وہ شخص اپنا فرض اس شخص کو لوٹا دے گا اور وہ شخص اپنا فرض میرے تک پہنچا دے گا تو ہمیں بیک وقت یہ کہیں گے کہ میں نے اپنا فرض ادا کر کے دوسرے شخص کا حق پورا کر دیا ہے اور دوسرے شخص نے اپنا فرض ادا کر کے میرا حق پورا کر دیا ہے۔ یہی اسلوب کار مکمل ہونے پر انسان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ جب تک یہ اسلوب کار بار بار مکمل ہوتا رہے گا۔ انسان کی ہر نئی سے نئی ضرورت پوری ہوتی رہے گی۔ اور جب تک یہ اسلوب کار نامکمل رہا تب تک کسی انسان کی ضرورت پوری نہیں ہوگی۔

میری یہ بات ابھی مکمل نہیں ہوئی صرف دو انسان ہی ایک دوسرے کی ضروریات پوری نہیں کر سکتے۔ ہم نے یہ بھی دیکھنا ہے کہ جو انسان اپنا فرض ادا کرتا ہے تو وہ بھی تو کسی تیسری چیز سے مدد لے کر ہی اپنا فرض ادا کرنے کے قابل ہوگا۔ نہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی تیسری چیز جس نے اس انسان کی مدد کی اس کے بھی یقیناً حقوق ہوں گے۔ تو پھر میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ تیسری چیز پھر انسان نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی اور ہی جاندار ہوگا۔ اس کا پھر یہ مطلب ہوا کہ صرف انسان ہی نہیں بلکہ اس دنیا میں پائی جانے والی ہر چیز اپنے کچھ نہ کچھ حقوق ضرور رکھتی ہے اور اگر حقوق رکھتی ہے تو پھر یقیناً کچھ نہ کچھ فرائض بھی ادا کرنے کی اہل ہوگی۔ ایک مثال دیتا ہوں اس مثال سے یقیناً آپ مزید میری بات کو سمجھ جائیں گے۔

ایک انسان ہے اس کو ایک گلاب کے پھول کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ اس کے گھر میں گلاب کا پودا موجود ہے لیکن اس پر کوئی بھی گلاب کا پھول نہیں اب یہ شخص اس گلاب کے پودے کو پانی دے گا تو اس پودے میں سے ایک یا دو گلاب کے پھول کچھ دن تک نکل آئیں گے۔ وہ انسان اس گلاب سے اپنی ضرورت بھی پوری کرے گا۔ اسی طرح پھلوں کے درخت بھی اس کی مثال ہیں۔ جانور جو دودھ دیتے ہیں۔ ان کو چارہ کھلایا

جائے تو وہ بھی دودھ دیتے ہیں۔ جو درخت پھل نہیں پیدا کر سکتے وہ بھی گھنی چھاؤں مہیا کرتے ہیں۔ جس کے نیچے بیٹھ کر انسان کو راحت ملی ہے۔

خدا کی قسم یہ انسان ہی ہے جو اپنے فرائض ادا کرنے میں بے ایمانی کر جاتا ہے مثلاً ایک انسان نے دوسرے انسان کو ضرورت پوری کر دی اب ہو سکتا ہے کہ دوسرا انسان پہلے انسان کی ضرورت وقت پر پوری نہ کرے جبکہ اس کو ضرورت ہے یا پھر بے ایمانی ہو جائے اور ضرورت پوری کرنے سے انکار کر دے۔ لیکن یہاں پر انسان کے علاوہ ہر دوسری چیز اپنے فرائض ازل سے لے کر اب تک پوری ایمانداری سے ادا کرتی چلی آ رہی ہے۔ ایک درخت ہے وہ پھل پیدا کر دیتا ہے۔ اب آپ اتارو یا نہ اتارو۔ ایک گائے ہے وہ دودھ پیدا کر چکی ہے آپ اسے دھولو یا نہ دھو۔ ایک پودا ہے اس پر پھول کھل چکے ہیں آپ ان پھولوں کو توڑو یا نہ توڑو۔ ایک مرغی ہے اس نے انڈہ دے دیا ہے اب آپ اسے کھاؤ یا نہ کھاؤ۔ ایسی ہی بے شمار مثالیں ہیں میرے علم میں کہ انسان کے علاوہ ہر جاندار ازل سے اپنے فرائض انجام دیتا چلا آ رہا ہے۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک پودے نے پھول پیدا کرنے سے انکار کر دیا ہو۔ ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ اس پودے کی عمر پوری ہو گئی ہو اور وہ پیدا نہ کر سکتا ہو۔

میں نے ایک تصویر دیکھی اور دیکھتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ آنکھیں نم ہو گئیں اس تصویر میں ایک چھوٹا بچہ ہے جو کہ بھوک پیاس سے بلک بلک کر مر رہا ہے اور کچھ فاصلہ پر بیٹھا گدھا اس کے مرنے کا انتظار کر رہا ہے مجھے نہیں پتہ کہ اس کے والدین کہاں ہیں اور نہ ہی یہ پتا ہے کہ وہ اس سنسان جگہ پر کیسے پہنچا یا پھر پہنچا دیا گیا۔ وہاں پر کوئی بھی اس کو پانی پلانے والا نہیں اور کوئی اٹھانے والا نہیں۔ میں نے یہ تصویر دیکھنے کے بعد سوائے اس کے والدین کے کسی بھی ذمہ دار نہ ٹھہرایا۔ کیوں کہ انسان اس دنیا میں اپنی زندگی کا دوبارہ آغاز کرتا ہے ایک تب جب وہ پیدا ہوتا ہے یہ آغاز تو بچے کی مرضی کے خلاف یا بغیر ہو جاتا ہے لیکن اس کی زندگی کا دوسرا آغاز تب ہوتا ہے جب وہ رشتہ ازدواج سے منسلک ہو جاتا ہے اس زندگی کا آغاز کرنے کا مکمل اختیار اس پیدا ہونے والے بچے کے پاس ہوتا ہے۔ جس کی زندگی کا پہلا آغاز اس کی مرضی کے بغیر ہوا تھا۔ اس انسان کو اپنی زندگی کا دوسرا آغاز تب کرنا چاہیے جب وہ خود کو اس قابل بنا لے کہ وہ آنے والے کسی تیسرے انسان کی نشوونما اور دیکھ بھال کر پائے گا۔ بے شک انسان کی روزی روٹی کا ذمہ اللہ پاک کے پاس ہے لیکن وسیلے تو انسان ہی بناتے ہیں جو ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ اللہ پاک خود تو زمین پر اس شخص کے گھر میں داخل ہو کر رزق نہیں دیتا۔

آخر میں میں تو یہی کہوں گا کہ ہیومن رائیٹس ڈے منانے کی بجائے ورلڈ رائیٹس ڈے منایا جائے اور یہ صرف ایک دن ہی نہیں بلکہ ہر دن اور ہر پل منایا جائے۔ تا کہ کوئی بھی انسان اپنے حقوق سے محروم نہ رہے ہم دوسروں کو خوشیاں دیں گے تو دوسرے آپ کی خوشیوں کا باعث بنیں گے۔

جینے کا لفظ تو بس رہ گیا جوڑوں کے لئے
کوئی خود بھی تو جیے اوروں کے لیے
گر اخلاق، محبت، ہمدردی زرہ برابر بھی ہوں
پھر بھی یہ کافی ہیں عامر کروڑوں کے لیے

ہر انسان اللہ کا خلیفہ ہے، آدمی کی توہین انسانیت کی تذلیل ہے۔

الفرادٌ نوبل

ماہا ریاض
ایل ایل بی (2014-2017)

1888ء میں ایک ممتاز فرانسیسی اخبار نے شہ سرخی لگائی کہ شاہ ڈائنامائیٹ وفات پا گئے۔ عمومی خبروں کی طرح یہ خبر بھی جھوٹی تھی۔ الفراڈ نوبل اپنی وفات کی خبر پڑھ کر بلند قہقہے لگا رہے تھے کیونکہ ان کے بھائی کی وفات کو انکی وفات سمجھا گیا۔ مگر انہیں اس بات سے بے حد صدمہ پہنچا کہ انہیں شاہ ڈائنامائیٹ قرار دینے کے ساتھ ساتھ لکھا گیا تھا ''الفرڈ صاحب نے اتنی دولت جنگی ہتھیار بیچ کر کمائی'' اگر چہ انہوں نے ڈائنامائیٹ ایجاد کیا تھا مگر غالباً وہ اسے پر امن کاموں کیلئے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ غم اس بات کا تھا کہ اس روز اگر واقعی وہ وفات پا گئے ہوتے تو انکا نقش تاریخ کے اوراق میں ''تباہ کن ہتھیار فروخت کرنے والے'' کی صورت میں ثبت ہو جاتا ہے۔ یہ خیالات جناب نوبل کیلئے قدرے بھیانک بھی تھے اور فکر انگیز بھی لہذا انہوں نے اپنی زندگی کے باقی آٹھ سالوں میں ایسا منصوبہ تیار کیا جس نے ان کا تاثر ہمیشہ کیلئے بدل کر رکھ دیا۔ 1892ء میں اپنی وفات پر وہ 9 ملین ڈالر بطور فنڈز چھوڑ گئے۔ ان کی وصیت کے مطابق اس فنڈ کے مختلف حصے ہر سال ادب طبعیات، کیمیا، حاتیات وطب اور بین الاقوامی امن وسکون کے میدانوں میں بہترین کام کرنے والوں کو بطور انعام دئے جاتے ہیں۔ اس کا نام نوبل صاحب کے نام پر یعنی ''نوبل پرائز'' رکھا گیا اور اس طرح ''نوبل پرائز'' کے ذریعے انسانیت کی خدمت کرنے والے ادباء، شعراء، سائنس دانوں، اطباء، اور دیگر شخصیات کی پذیرائی کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاری ہے۔ 1951ء میں یہ کام سویڈش اکیڈمی میں ایک کمپنی نے سنبھال لیا۔ ''نوبل پرائز'' دینے کے معنی ہیں کہ انسانیت ان منتخب افراد کو سلامی پیش کرتی ہے۔ اور ان کی خدمت کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

یہ پرائز دنیاء کے معزز ترین ایوارڈز میں شامل ہے۔ نوبل پرائز پانے والوں کو ہر جگہ عزت و احترام سے دیکھا جاتا ہے اور یہ اعزاز سائنس دانوں اور ادباء کیلئے باعث فخر اور باعث مسرت ہے۔ نوبل پرائز پانے والے اہم شخصیات میں ''البرٹ میکلسن، میکس پلینک، البرٹ آئن سٹائن، جی۔ پی۔ تھامس، ڈاکٹر عبدالسلام، پی ایس ایلیٹ، ونسٹن چرچل، الیگزنڈر فلیمنگ، ڈاکٹر نورمان، ملالہ یوسف زئی، وغیرہ شامل ہیں۔

پریشانی حالات سے نہیں خیالات سے بدلتی ہے۔

نوبل پرائز حاصل کرنے والوں کے جائزے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ سب تعلیم اور محنت کے ذریعے سے اس مقام پر پہنچے ہیں۔1896ء سے اب تک ایک صدی سے زائد عرصہ بیت گیا ہے۔لیکن اب آج بھی نوبل پرائز کا نام لیتے ہی الفرڈ نوبل کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ NOBEL Prize in every feild کے اصل حقدار نوبل صاحب خود ہی ہیں۔

1- کیا آپ جانتے ہیں کہ چمگادڑ کے بھی انگوٹھے ہوتے ہیں۔

2- کچھ تتلیوں کے کان ان کے پروں پر ہوتے ہیں۔

3-پاپ کارن 3 فٹ کی اونچائی تک اچھلتے ہیں۔

4-ہم روزانہ 2000 گیلن ہوا سانس کے ذریعے اندر لیتے ہیں۔

5-ہاتھی اور اودھ بلاؤ بعض آبدوزوں سے بھی زیادہ گہرائی میں غوطہ خوری کر سکتے ہیں۔

6-اونٹ ہر دس منٹ میں 500 کپ پانی کے پی سکتا ہے۔

7-دنیا کے 50 بلند ترین پہاڑ ایشیا میں واقع ہیں۔

8-زمین کا سب سے کم ترین درجہ حرارت (128.6F) انٹارکٹیکا میں ریکارڈ کیا گیا ہے۔

9- کیا آپ جانتے ہیں کہ لندن کے گھنٹہ گھر میں نصب میں منٹ کی سوئی سال بھر میں تقریباً 118 میل کا سفر طے کرتی ہے۔

10-بحر اوقیانوس کی سطح سمندر، بحر الکاہل کی نسبتاً زیادہ نمکین ہے۔

11-دنیا میں آنے والے بدترین بگولوں میں سے دو تہائی امریکہ میں آئے ہیں۔

12-شہد کی مکھیاں چھتے کے خانے مسدس شکل میں بناتی ہیں یہ تمام خانے لمبائی، چوڑائی اور گہرائی میں بالکل برابر ہوتے ہیں۔

16 دسمبر ملکی تاریخ کا سیاہ ترین دن

شجاع ندیم
ایل ایل بی (2015-2018)

نہ جانے ہمارا ملک کس دورا ہے پہ آن کھڑا ہوا ہے۔ ایک کے بعد ایک سانحہ ملکی وقار اور عزت کو نقصان پہنچانے کے لیے تیار کھڑا ہے۔ جیسے کہ لاہور میں واہگہ باڈر کا سانحہ، جس میں کئی جانوں کا ضیاع ہوا۔ اور اب سانحہ پشاور نے ملک میں ہلچل مچا دی ہے۔ ہر آنکھ اشک بار ہے۔

واقعہ تفصیلاً کچھ یوں ہے کہ 16 دسمبر کی صبح مائیں اپنے جگر گوشوں کو ملک کا سہارا بننے کے لیے اپنی دعاؤں کے آنچل میں سکول روانہ کر رہی تھیں۔ مگر اِن ماؤں کو کیا علم تھا کہ آج اِن کی دعاؤں کا دیا ہوا آنچل موت کو نہ روک سکے گا۔ سکول پہنچنے کے بعد سب اپنی اپنی آنکھوں میں مستقبل کا خواب لیے اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے تھے۔ کہ اچانک حالات نے رخ بدلا۔ چھ درندہ صفت دہشت گرد سکول کے پچھلے حصے سے داخل ہوئے۔ اس وقت سکول میں تقریباً 1200 طالب علم موجود تھے۔ اِن کو کیا معلوم تھا کہ آج تقدیر اِن کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے والی ہے؟ درندہ صفت لوگوں نے examination hall میں داخل ہو کر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ اِن کی گولیاں معصوم معصوم پھول جیسے جسموں میں پیوست ہو گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے کئی پھول مرجھا گئے۔ اِن بدبختوں نے بچوں کے ساتھ اساتذہ کو بھی شہید کر دیا۔ اِس واقعہ میں تقریباً 138 افراد نے بچوں سمیت شہادت کا رتبہ حاصل کیا۔ تقریباً 150 سے زائد زخمی بھی ہوئے۔ اِس واقعہ نے 100 سے زائد ماؤں کی گود اُجاڑ دی۔

اِس المناک واقعہ کے بعد ہمارے نام نہاد جمہوری لیڈروں نے بھی اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے برائے نام مذمّت شروع کر دی۔ پھر یہ بیان آیا کہ policies تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم دہشت گردی کو ختم کر کے دم لیں گے۔ یہ کر دیں گے، وہ کر دیں گے۔ آخر کب کرو گے ظالمو؟ اور کتنی ماؤں کی گود اجاڑو گے؟ اور کتنی بہنوں کے سر سے باپ اور بھائیوں کے شفقت بھرے ہاتھ اٹھاؤ

گے؟

ہاں یہ بھی تو سچ ہے ! اپنی اولاد ہی سب کو پیاری ہوتی ہے۔ دوسروں کی اولاد چاہے سڑک کے بیچ گولی مار کر قتل کر دی جائے۔ ہمارے نام نہاد حکمران بھی ایسے ہی گروہ سے ہیں۔ اِن کی اپنی اولادیں تو بیرون ملک اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہوتی ہیں لیکن عوام اور اِن کی اولادیں اللہ تعالیٰ کے ہی آسرے پر جی رہے ہیں۔

جانے کب کون مار دے مجھے کافر کہہ کر

یہاں ہر شہر کا شہر مسلمان بنا پھرتا ہے

یاد رکھو! اصحابِ حزبِ اقتدار! اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ خدا نہ کرے آپ لوگوں کو بھی ایسا دِن دیکھنا پڑے۔ میرا ایک سوال ہماری انٹیلی جنس سروسز سے بھی ہے کہ کیا واقعی ہماری انٹیلی جنس سروس دنیا کی نمبرون سروس ہے؟ اگر اِس کا جواب مثبت ہے تو وہ پھر اِن سفاک، وحشی، بے ضمیر دہشت گردوں کو پکڑنے میں کیوں ناکام رہی؟ یہ سوال پورے ملک کے ہر باشعور انسان کی زبان پر ہوگا۔ مگر اِس کا جواب شاید ہی کسی کے پاس ہو۔ میرا سوال اِن بے ضمیر، نام نہاد اسلامی نظریات پر عمل پیرا ہونے والے طالبان سے بھی ہے کہ آخر اِن معصوم بچوں کا کیا قصور تھا؟ کیوں مسل دیا اِن پھولوں کو؟ کیا یہ ہیں اِسلامی نظریات؟ مگر افسوس کہ تُم بدتہذیب لوگ پاکستان کا حوصلہ پست نہ کر سکو گے۔

میرے اے دشمن! میرا حوصلہ تُم سے بڑا ہے

میرا یہ حوصلہ تمہاری سازش سے بھی بڑا ہے

میرے اُستادِ محترم جناب انصر شاہ صاحب اکثر کہا کرتے ہیں کہ ماں کی دعاؤں میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ مگر اِس واقعہ کے بعد یہ بات ذہن سے نکلتی ہی نہیں کہ نہ جانے کیوں ماں کی دعاؤں نے اِن درندہ صفت ظالموں کے آگے گھٹنے ٹیک دیے؟ نہ جانے کیوں اِن سفاک قاتلوں کو زندگی کے چراغ گُل کرنے کا حق دیا گیا؟ کیوں اِن آنکھوں کو خواب دیکھنے سے پہلے ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا؟ نہ جانے کیوں اِن پھولوں کو کھلنے سے پہلے ہی مسل دیا گیا؟

عُمر جنہیں پالنے میں نکل گئی

دہشت گردی اِنہیں لمحوں میں نگل گئی